ناول

خوشبو کا سفیر

آسیہ مرزا

ناول

خوشبو کا سفیر

آسیہ مرزا

''دولت کے بغیر انسان کچھ نہیں ہے' روپیہ ہی اس کی آنکھ ہے روپیہ ہی اس کی ناک۔ روپیہ ہی اس کے ہاتھ۔ روپیہ ہی اس کے پاؤں۔ کوئی پاؤں کے بغیر چل سکتا ہے' کوئی آنکھ کے بغیر دیکھ سکتا ہے' آپ کے ہاتھ میں روپیہ ہو تو دنیا آپ کے قدموں میں ہے' اگر آپ کے پاس روپیہ نہیں تو آپ دنیا کی قدموں میں ہیں۔ ایک مفلس کی کہانی تین لفظوں میں بیان کی جاسکتی ہے۔ وہ دنیا میں آیا اس نے زندگی گزاری اور پھر مر گیا۔ غریب کا بچپن' اس کی جوانی اس کا بڑھاپا۔ زندگی کے یہ تینوں دور اس کے لیے اذیت ناک ہیں نہ بچپن میں پیار' نہ جوانی میں داد' نہ بزرگی میں عزت۔ غربت آپ کو ذرا سی عزت بھی نہیں دے سکتی ذرا سی عزت۔''

وہ کلاسیکل ادب کا پیریڈ لے کر باہر نکلی تو یہ لفظ اس کے کانوں نے سنے' پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ تو بنا دیکھے اس کی سانس تک پہچان لیا کرتی تھی۔ آج ایک بھی پیریڈ اٹینڈ نہیں کیا تھا اس نے۔ صبح سے کلاس روم کی دیوار سے ٹیک لگائے وہ سگریٹ پہ سگریٹ پھونک رہا تھا۔

کیوں کرتا ہے وہ ایسی باتیں' حالات آج تو ایسے نہیں ہوئے۔ غربت آج تو نہیں دیکھی۔ یہ تو ہمیشہ سے ہماری سانس سے سانس لیتی آ رہی ہے۔ اب تک تو سمجھوتا ہو جانا چاہیے تھا۔ ہر روز تڑپنے سے کیا حاصل ہے' اس شخص کی تلخی اور میری سوچ کیا کبھی کنارہ ہوگا ان دونوں کا' مجھے بہر حال کنارہ چاہیے۔ جب بھی ملے! اسی شخص کے ساتھ یہ جہاں کنارہ کرے گا۔ مجھے بھی وہیں رکنا ہے۔

اس نے یونیورسٹی گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا تھا جہاں وہ ابھی تک اسی انداز سے اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا ایک نیا سگریٹ سلگا رہا تھا۔

☆☆☆

جس وقت وہ گھر پہنچی' پونے تین ہو رہے تھے۔ پریشر کوکر کی شوں شوں میں بسی چنے کی دال کی خوشبو پر اس نے دروازے پر ہی ناک چڑھالی تھی۔

''آپا! یہ کیوں پکائی ہے!'' وہ وہیں سے چیختی ہوئی اندر آئی تھی۔

''کبھی تو آتے ہوئے سلام کرلیا کرو۔ دروازے پہ ہی شروع ہو جاتی ہو۔ یہ کیوں پکایا' وہ کیوں پکایا۔'' آپا نے اپنے کپڑے استری کرتے ہوئے اسے لتاڑا تھا۔

''تو آپ کوئی اچھی چیز کیوں نہیں پکاتیں۔'' سینڈل کا اسٹریپ کھولتے اس کی ابھی تک ایک ہی رٹ تھی۔

''چولہا بند کر کے آؤ۔ پک گئی ہوگی۔'' وہ اس کے اعتراض کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لائی تھیں۔

''اللہ کرے جل گئی ہو'' وہ پاؤں پٹخ کر کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ ''صبح یونیورسٹی جاؤ تو اماں کو جانے کی جلدی۔ واپس آؤ تو آپا غائب' اتنی افراتفری کیوں ہے ہم تینوں کی ذات کے اندر۔ اتنی دوڑ دھوپ' اتنی محنت پھر بھی خالی ہاتھ۔ سارا دن پیسے کے لیے ایک دوسرے کی شکلوں کو ترستے رہو' دامن پھر بھی خالی یونیورسٹی میں صرف اس لیے کچھ نہیں کھایا کیونکہ کرائے کے لیے پیسے بچانے تھے۔ اس سڑی ہوئی دال سے تو اچھا تھا وہیں سے کچھ کھالیتی پھر بھلے سے پیدل آنا پڑتا۔''

وہ پریشر کا ڈھکن کھولتے ہوئے مسلسل کلس رہی تھی۔ اپنی جلتی ہوئی سوچ پر اس کا دھیان غیر ارادی طور پر اس کے سلگتے ہوئے لفظوں میں الجھ گیا تھا۔ میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ میں یعنی مریم افتخار سو میں سے اسی فیصد اس شخص جیسی بن چکی ہوں۔ رانجھا رانجھا کردی میں آپے رانجھا ہوئی' وہ اپنی اس بے تکی سوچ پر خود ہی ہنس پڑی تھی۔

''کبھی کبھی میں تمہارے بارے میں مشکوک ہونے لگتی ہوں۔'' اسے اکیلے اکیلے ہنستے دیکھ کر آپا نے صحن میں بیسن کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی چوٹی میں بل ڈالتے ہوئے کہا۔

''کتنا مزہ آتا ہے ناں جب کوئی ہمارے بارے میں مشکوک ہو۔'' کچن سے اس کے دوبارہ کھلکھلانے کی آواز آئی تھی۔

''تم جب ہنستی ہو تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔'' وہ کنگھی میں سے بال نکالتے ہوئے بولیں۔

''تھینک یو۔'' وہ پلیٹوں میں چاول نکالتے ہوئے مسکرائی تھی۔ ''جانا نہیں ہے کیا۔ آج تو بہت تسلی ہے آپ کے انداز میں۔''

''جانا ہے بھئی' تم جلدی سے کھانا نکال دو۔ میں واقعی لیٹ ہو رہی ہوں۔'' وہ اپنی چادر باہر تار پر ڈال کر آتے ہوئے بولیں۔

''کیسی عجیب بات ہے آپا! ہم تینوں روزانہ اپنے اپنے معمول کا فقرہ دہراتے ہیں میں روزانہ واپسی پر یہی کہتی ہوں 'یہ کیا پکا لیا' اور آپ باقاعدگی سے اس وقت تیار ہوتے ہوئے کہتی ہیں۔ آج تو واقعی میں لیٹ ہوگئی' اور اماں بلا ناغہ گھر میں قدم رکھتے ہی کہیں گی۔ 'آج تو بہت گرمی پڑ رہی ہے بھئی۔'' اس نے اماں کے انداز کی اس خوب صورتی سے نقل اتاری تھی کہ آپا بے ساختہ ہنس پڑی تھیں اور وہ حسب معمول سنجیدہ تھی کیونکہ وہ اپنے مذاق پر کبھی نہیں ہنستی تھی۔

''کتنی لڑکیاں سگھڑ بنی ہیں آپ کے ہاتھوں۔'' وہ بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''ایک بھی نہیں۔'' وہ بے ساختہ مسکرائی تھیں۔ ''سوئی بھی سیدھی پکڑ لیں تو بڑی بات ہے۔ میں تو ان سب سے التجا کرتی ہوں کہ اگر کوئی پوچھے کہ یہ ہنر کس سے سیکھا ہے تو خدا کے واسطے میرا نام مت لینا۔'' آپا نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ انڈسٹریل ہوم میں ایمبرائڈری ٹیچر تھیں۔

''ساڑھے تین بج گئے ہیں۔ آج تو آپ واقعی لیٹ ہو رہی ہیں آپا! اب جائیں میں بھی کچھ دیر آرام کروں گی' پھر شام تو بچوں میں ہی گزر جاتی ہے اور آج تو میرے سر میں درد بھی ہو رہا ہے۔'' وہ ان کے پیچھے دروازہ بند کرنے کے ارادے سے آتے ہوئے بولی۔

''دوا کھا کر چائے پی لینا۔ تھوڑی دیر تک مکمل طور پر پرسکون رہنا ہے۔ بچے پڑھنے کے لیے آجائیں تو دروازہ اندر سے بند کر لینا۔ اماں کو دروازہ کھلا ملے تو غصہ ہونے لگتی ہیں۔'' وہ اسے روزانہ کی ہدایات دیتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

اس کے ہونے کا یقین جب ہم سفر بن جائے گا
دیکھ لینا دشت میں بھی ایک گھر بن جائے گا
یوں تو دونوں ہی شناسا ہیں' جنوں کے وصف سے
بے دلی یوں ہے کہ یہ سب دردِ سر بن جائے گا
صبح دم اس کا بدن تھا میری خوشبو کا سفیر
کب گماں تھا وصل اتنا معتبر بن جائے گا

اس نے آخری شعر جس گھمبیرتا سے پڑھا تھا' اسے سن کر سامنے کھڑی کے ہاتھ سے مارے بوکھلاہٹ کے کتابیں چھوٹ کر نیچے گر پڑی تھیں۔

''کیا ہوا۔'' آمنہ نے شرارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''انتہائی بدمعاش آدمی سے دل لگایا ہے میں نے۔'' وہ نیچے بیٹھ کر کتابیں اٹھاتے ہوئے بڑبڑائی تھی۔

''یہ تو واقعی ٹھیک کہا تم نے۔ بندہ دل لگائے تو چھان پھٹک کر لگائے۔'' وہ بھی اس کے ساتھ کتابیں اٹھاتے ہوئے مزید جلتی پر تیل چھڑکنے لگی۔

''واہ یار! کمال ہے بھئی یوں ہی سے اشعار میں بھی جان ڈال دیتے ہو تم۔'' اجمل نے سر دھنتے ہوئے کہا۔

''بہت باذوق انسان ہو تم' ورنہ لوگوں کو تو اشعار سن کر جان کے لالے پڑ جاتے ہیں' سمجھ میں ہی نہیں آتے۔'' اس نے دلچسپی سے اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کرتے ہوئے اجمل کی طرف دیکھا۔

''آپ لوگوں کو بدذوق ہی رہنے دیجیے وہ اسی میں خوش ہیں۔'' آمنہ نے اپنی سہیلی کی طرف داری میں تلملاتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں' تمہارے ذوق کو تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ بابر علی کی دیوانی۔''

اس نے نشانے پر تیر مارا تھا کہ دوسری طرف اچھا خاصا درد اٹھا تھا۔

''دیکھو' میں اس کے خلاف ایک بھی بات نہیں سنوں گی' سمجھے تم۔'' وہ لال پیلی ہوتے ہوئے بولی۔

''تم کیا جانو' اعلاذوق ہوتا کیا ہے۔ تمہارے جیسے بندے کو تو کوئی پسند نہیں کرسکتا۔'' وہ طنزیہ انداز میں سر سے پاؤں تک اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''خدا کے واسطے آپ مجھے اپنے اعلا ذوق کی لسٹ میں لائیے گا بھی مت' خوامخواہ بد سے بدنام برا والی بات ہو جائے گی۔'' وہ باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''فارگاڈ سیک۔ کبھی تو اپنی ان حرکتوں سے باز آجایا کرو۔ ہر بات میں بے چاری کے پیچھے پڑ جاتے ہو۔'' وہ دفاعی انداز میں آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

''یہ بے چاری ہے اس جیسی بے چاریاں دنیا میں چار اور آجائیں تو قیامت دور نہیں۔'' وہ ہرگز بھی اسے بے چاری ماننے کو تیار نہیں تھا۔

''ہاں اور جب قیامت آئے گی تو پہلا پہاڑ تم ہی پر ٹوٹے گا۔'' وہ بہت پرسکون انداز میں کہتے ہوئے اٹھی اور کپڑے جھاڑتے ہوئے پیچھے پلٹ گئی۔

''رکو تو وہ پہاڑ کہیں تمہارے جیسی کسی بے چاری کا ہی ڈھایا ہوا نہ ہو۔'' وہ بولتے ہوئے اس کے پیچھے لپکا تھا۔

''بے فکری ایک بہت بڑی نعمت ہے اس دنیا میں۔'' وہ جو بہت دلچسپی سے ان دونوں کو آگے پیچھے جاتا ہوا دیکھ

رہی تھی۔اس کی بات پر چونک کر مڑی تھی۔

''ہاں اور یہ نعمت ہر انسان کو حاصل ہو سکتی ہے اگر وہ چاہے تو۔'' وہ دانستہ اس سے نظریں چراتے ہوئے بولی۔

''بے فکری لاشعوری ہوتی ہے۔شعوری نہیں' نعمت ملتی ہے بکتی نہیں' میری ہزاروں خواہشوں میں سے ایک خواہش تمہاری بے فکری ہے۔کاش تم بھی آمنہ جیسی ہوتیں پورے ڈپارٹمنٹ میں برملا یہ بات کہتیں۔میں بابر علی سے شادی کروں گی' کیسی چلبلی سی شوخی ہے اس کے اندر کبھی تم نے محسوس کیا میں نے اس کی آنکھوں میں کبھی حسرت نہیں دیکھی کاش کبھی ایسا ہو کہ تم۔''

''بس کرو! مجھے اس کے ساتھ کمپیئر مت کرو' کیونکہ مجھے اس جیسا نہیں بننا۔ مجھے بابر علی سے شادی نہیں کرنی' مجھے اپنی ذات کے اندر رہنے دو' مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔''

''میری ذات کے اندر کیا ہے...... مفلسی!'' وہ تڑخ اٹھا تھا۔

''مجھے مفلسی دے دو۔''

''میرے پاس غربت کے دکھ ہیں!'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''تم مجھے غربت کے دکھ دے دو۔'' اس کا لہجہ بھیگ رہا تھا۔

''یہ دونوں چیزیں تمہارے پاس پہلے سے موجود ہیں۔کیا کرو گی اتنی مفلسی کا۔'' وہ بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''تم یہ دونوں چیزیں مجھے دے دو۔میرا وعدہ ہے میں یہ تمہیں واپس نہیں لوٹاؤں گی۔''

''ایک بار پھر سوچ لو۔بہت آبلہ پائی ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ ادا کرتے ہوئے بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''وعدہ سوچے سمجھے بغیر نہیں کیا جاتا۔'' اس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا تھا۔

''ایک وعدہ مجھے بھی تم سے کرنا ہے۔''

''کیا۔'' اس نے بہت آس سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں تمہارے آنکھوں میں سجے ہوئے ایک ایک خواب کو تعبیر میں بدل دوں گا اور اگر میں ایسا نہ کر سکا تو تمہاری آنکھ کا خواب بھی نہیں بنوں گا۔میں ابھی نہیں جانتا کہ اپنے وعدے کو پورا کرنے میں مجھے کتنا وقت لگے گا۔میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں اور تمہیں خوش رکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ بغور اس کے چہرے کے ایک ایک نقش اس کی پلکوں کی اٹھتی گرتی لرزش کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ مجھے آسائشات کی خواہش ہے۔تم مجھ پر وہ احسان کیوں کرنا چاہتے ہو جس کی مجھے

خواہش نہیں، وجدان! میں نے اپنی زندگی میں جتنی آسائشیں دیکھی ہیں۔ میں صرف ان کو ہی جانتی ہوں، میں نہیں جانتی اس سے بڑھ کر دنیا میں کیا آسائشات ہیں، اور میں جاننا چاہتی بھی نہیں۔ دنیا چاند پر جاتی ہے، مجھے نہیں جانا، مجھے زمین پر کھڑے ہو کر چاند دیکھنے کی خواہش ہے۔ دنیا کو دولت سے محبت ہے۔ مجھے نہیں ہے۔ مجھے تم سے محبت ہے وجدان! تم سے۔'' وہ اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔

''ایک واقعہ سناؤں تمہیں، کچھ دن پہلے ٹی وی پر ایک فلمی پروگرام میں میڈم شمیم آرا نے کمپیئر کے ایک سوال کے جواب میں کہا میں نے سعود کے ساتھ میرا کے بجائے ریما کو کاسٹ کیا ہے۔'' وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بڑے سکون سے بیٹھا ہوا تھا۔

''تمہاری یہ بے تکی مثال مجھے ذرا بھی پسند نہیں آئی، لیکن بہر حال میں اس سے اتفاق کرتی ہوں۔ ایک ایکٹر کے بدل جانے سے فلم تو مختلف نہیں ہو سکتی لیکن ایک انسان کے مل جانے سے زندگی ضرور مختلف ہو سکتی ہے اور یہ اتنا سا فرق ہی میری سب سے بڑی خواہش ہے۔'' وہ کتابیں سمیٹ کر بیگ میں ڈالتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

''گھر جا رہی ہو۔'' وہ اس کی تیاری دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''ہاں، آج مجھے جلدی جانا ہے۔''

''میں چھوڑ آؤں۔'' وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''نہیں۔ مجھے ذرا جلدی جانا ہے!'' وہ بڑے مصروف انداز میں اسے چھیڑ بیٹھی تھی۔

''اچھا تو پھر پوائنٹ سے چلی جاؤ۔'' وہ بڑے آرام سے اس کا طنز پی گیا تھا۔

''میں نے تمہاری بائیک کی شان میں گستاخی کی ہے، حسب معمول ڈانٹو گے نہیں۔''

''نہیں۔ آج تم مجھے بہت اچھی لگ رہی ہو، اس لیے آج تمہاری سب گستاخیاں معاف۔'' وہ جلتے ہوئے سگریٹ کو پاؤں تلے مسلتے ہوئے بولا تھا اور نظریں بدستور اس کے چہرے پر تھیں۔

''وہ جو کل تم نے مجھے افسانوی ادب کے نوٹس دیے تھے نا، وہ آمنہ کے پاس ہیں، میرے جانے کے بعد تم اس سے لے لینا۔ خوامخواہ پوری کلاس کو بانٹتی پھرے گی۔'' وہ اس کی نظروں سے گھبراتے ہوئے آئیں بائیں شائیں کرنے لگی۔

''جی بہتر لے لوں گا۔ کچھ اور۔'' وہ انتہائی مؤدب انداز میں کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

اس کے اس انداز پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

☆☆☆

پہلی دستک پر ہی بھابھی نے دروازہ کھول دیا تھا اور سامنے اسے کھڑا دیکھ کر وہ ناراض ہونے لگی تھیں۔

''آج پورے دو گھنٹے لیٹ آئے ہو تم۔ کہاں رہے اتنی دیر میں کب سے دروازے پر کھڑی تھی۔ آئے دن کے ہنگامے' پیچھے دل ہولتا رہتا ہے میرا' سیدھے گھر آیا کرو۔ چاہے پھر چلے جاؤ'' وہ چپل گھسیٹتے ہوئے کچن کی طرف جاتے ہوئے بولیں۔ ان کے لہجے میں چھپی فکرمندی محسوس کر کے وہ طمانیت سے مسکرا اٹھا تھا۔ بائیک کو صحن میں کھڑا کرنے کے بعد وہ سیدھا بھائی کے کمرے کی طرف گیا تھا اور حسب معمول نہایت خاموشی سے پینٹ کی جیب سے دوائیاں نکال میز پر رکھیں اور باہر نکل آیا۔

''کیا پکا رہی ہیں۔'' اس نے ہلکے سے کچن کا دروازہ بجاتے ہوئے پوچھا۔

''وہی۔'' وہ نہایت اطمینان سے مسکرائی تھیں۔

''اس 'وہی' سے جان کب چھوٹے گی۔ بھابھی آپ مینیو بدل نہیں سکتیں۔''

''بدل سکتی ہوں بھیا! بشرطیکہ تم دونوں بھائی بھی بدل جاؤ۔ ایک چار بجے آ رہا ہے تو دوسرا پانچ بجے' یہ نہ پکانے کا وقت ہے اور نہ کھانے کا' تم لوگ اپنی روٹین بدلو میں مینیو بدل لوں گی۔'' بھابھی نے چولھے پر توا چڑھاتے ہوئے بہت سکون سے جواب دیا تھا۔

''کبھی کبھی بہت جی چاہتا ہے۔ آپ کو اماں کہہ کر پکاروں۔ آپ بالکل اماں کا روپ دھار چکی ہیں' وہی ڈانٹ' وہی پیار انہیں بھی ایسی ہی فکریں لاحق ہوتی تھیں۔ وقت پر گھر آؤ' وقت پر کھانا کھاؤ' ایک بار تو کھانا نہ کھانے پر اچھی خاصی دھنائی ہوئی تھی میری' بس اتنا ہی کہا تھا یہ کیوں پکالیا' بس پھر نہ پوچھیں کیا کیا کھانا پڑا مجھے۔''

کوئی گزری بات یاد کرتے ہوئے اس کی آنکھیں ستارہ بن گئی تھیں۔ اس کی بات پر ان کے اندر کی کوئی محرومی مچل کر آنکھوں میں چھلک آئی تھی جسے انہوں نے چھلکنے سے پہلے صاف کر دیا تھا۔

''میں ماں نہیں بن سکی' مگر ماں جیسی تو بن سکتی ہوں میں نے ہمیشہ تمہیں اپنا بیٹا سمجھا ہے' کہا ہے' مانا ہے۔ میں نے کبھی کہا تو نہیں لیکن میری خواہش ہے کہ تم مجھے ماں کہہ کر پکارو۔'' انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام کر ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

''اماں!'' وہ ان کے گرد اپنی بانہیں پھیلاتے ہوئے لاڈ سے بولا۔ ''یہ آنسو نہیں چاہئیں۔'' وہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں صاف کرنے لگا۔

''تم بیٹھو میں کھانا نکالتی ہوں!'' انہوں نے پلٹتے ہوئے بہت آہستگی سے کہا اور ابھی وہ کھانا کھا ہی رہا تھا' جب بھائی آ گئے۔

''ابھی آئے ہو کیا۔'' انہوں نے اسے اس وقت کھانا کھاتے دیکھ کر پوچھا۔

''جی!'' جواب انتہائی مختصر تھا۔

''جلدی گھر آیا کرو' ابھی پھر تمہیں جانا ہے۔ پل کے پل گھر آتے ہو اور پھر غائب محنت ضرور کرو مگر خود پر ظلم مت کرو' یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔'' اپنی بات کرتے ہوئے وہ ذرا سا کھانسے تھے اور اس کے حلق میں نوالہ پھنسنے لگا تھا۔ ایک پل میں وہ ان کے قریب پہنچا تھا۔

''آپ سے کتنی مرتبہ کہا ہے' بائیک لے جایا کریں۔ یوں اتنی دور سے بسوں کی خواری مگر آپ نہیں مانتے میری بات۔ تھکن بڑھ جاتی ہے اس طرح بھائی۔'' وہ فکر مندی سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا' بھائی کے چہرے کی زرد رنگت آنکھوں کے گرد گہرے ہوتے ہوئے سیاہ حلقے دیکھ کر' اس کے اندر کی وحشت بڑھنے لگی تھی۔

''بائیک چلانے کی اب ہمت نہیں ہے۔ بیٹا! خوف آنے لگتا ہے۔ نجانے کس وقت طبیعت بگڑ جائے' اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے۔'' ان کا لہجہ خود بخود دھیما ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے کم سے کم اس موضوع پر بات کرتے تھے۔ وہ بے حد جذباتی تھا۔ ان کی بیماری اس کے اندر کو بھی تاریک کر رہی ہے۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ بار بار اس بات کا اظہار انہیں تکلیف پہنچاتا تھا۔ وہ چند لمحے بے حد خاموشی سے ان کا زرد پڑتا چہرہ دیکھتا رہا' پھر اسی خاموشی سے اٹھ کر وہ بائیک باہر نکالنے لگا۔

''چنل! ابھی مت نکلو' چائے پی کر جاؤ' بنا رہی ہوں میں!'' بھابھی نے اسے باہر نکلتے دیکھ کر کہا تھا۔

''طلب نہیں ہے اماں۔'' اس کی نہایت دھیمی آواز ان تک نہیں پہنچ پائی تھی۔

''ابھی تو اکیڈمی کا ٹائم نہیں ہوا ہے۔'' بھائی کی بات پر اس کے قدم سست پڑنے لگے تھے۔

''آج مجھے جلدی جانا تھا۔''

''مزید ٹیوشنز لے لی ہیں کیا۔'' انہوں نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال پوچھا تھا۔

''کچھ ایسا ہی ہے۔ آج نو بجے آؤں گا میں۔'' اس بار پھر اس نے آہستگی سے جواب دیتے ہوئے کہا اور باہر والے دونوں دروازے کھول کر بائیک نکالی۔

''دروازہ بند کر لیں اماں!'' بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے بھابھی کو پکارتے ہوئے کہا تھا اور دروازہ بند ہونے سے پہلے تک اس کی بائیک گلی کے موڑ تک پہنچ چکی تھی۔

☆☆☆

وہ کینٹین سے واپس ڈپارٹمنٹ پہنچی تھی کہ آمنہ نے اسے متوجہ کیا' اس نے حیران ہو کر دیکھا۔

سامنے کا منظر واقعی اس کا خون کھولا دینے کے لیے کافی تھا' کیونکہ اس کی نظروں کے بالکل سامنے کلاس کی مس ڈپارٹمنٹ انتہائی تنگ سلیولیس شرٹ پہنے' وجدان کے بے حد قریب بیٹھی تھی۔ کلیجے میں آگ اس وجہ سے بھی لگی تھی کہ اس کا نازک ہاتھ وجدان کے ہاتھوں میں تھا' آن واحد میں وہ ان دونوں کے قریب پہنچی تھی۔

''اف مریم! تم کہاں تھیں اتنی دیر سے' دیکھو تو وجدان نے میرے بارے میں' حرف بہ حرف سچ بتایا ہے یہ کہ میری عادات کیا ہیں۔ میری سوچ کیسی ہے اور یہ بھی کہ میرا فیوچر کیسا ہوگا۔'' نتاشا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت خوشی سے کہا تھا۔

''ہاں دوسروں کے مستقبل کی پیش گوئیاں یہ خوب کیا کرتے ہیں۔'' اس نے ذو معنی لہجے میں کہتے ہوئے نتاشا کے خوب صورت چہرے کی طرف دیکھا' جو اس وقت اندرونی خوشی سے مزید گلاب بن گیا تھا پتا نہیں کیا کہہ بیٹھا ہے اس سے۔

اس کے جلے کٹے لہجے پر وجدان کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

''تم نے کبھی اسے اپنا ہاتھ دکھایا۔'' اس کا اشتیاق تو کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

''نہیں' لیکن لگتا ہے ہاتھ دکھانا ہی پڑے گا۔'' اس نے ایک بار پھر ذو معنی انداز میں کہا تھا۔

اس دفعہ وجدان اپنا قہقہہ نہیں روک سکا۔

''فیوچر کا اتنا خوب صورت نقشہ کھینچا ہے۔'' وہ بہت پر جوش تھی۔

''قسمت چکر کی طرح بدلتی ہے۔ لکیروں کا کیا اعتبار آج نہیں کل مٹ گئیں۔'' اس نے بے نیازی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''لکیروں کا نہ سہی انسانوں کا اعتبار تو ہوتا ہے نا۔'' اس نے ایک ادا سے بال جھٹکتے ہوئے کہا۔

''بات اعتبار تک پہنچ چکی ہے۔'' اس نے کڑی نظروں سے وجدان کی طرف دیکھا اس وقت سے خاموش آمنہ کی کھی کھی شروع ہوگئی تھی۔

''اف نتاشا! بہت خوب صورت شرٹ پہنی ہے تم نے۔ کیا خود پینٹ کی ہے ذرا دکھاؤ تو۔'' آمنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں' میں نے خود ڈیزائن کی ہے۔ دوسروں کے بنائے ڈیزائن مجھے تو پسند نہیں آتے۔ میں ہمیشہ اپنے ڈریسز خود ڈیزائن کرتی ہوں۔'' وہ گپ ہانکنے لگی تھی۔

''کل گل جان مجھ سے کہہ رہی تھی' کوئی اچھا ڈیزائن دیکھو تو مجھے ضرور بتانا' اس کی آپی کی شادی ہونے والی ہے نا۔ اس لیے میرے خیال میں اسے یہ ڈیزائن بہت پسند آئے گا' اگر تم مائنڈ نہ کرو تو ہم ابھی یہ شرٹ اسے دکھا سکتے ہیں۔ وہ کینٹین میں ہے اس وقت' چلیں!'' اس نے بہت چاپلوسی سے اس کی تعریف کی تھی۔ اسکیم کامیاب ہو گئی تھی کیونکہ وہ اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

''کیا تھا یہ سب کچھ''۔ ان دونوں کے جاتے ہی وہ اس پر آنکھیں نکالنے لگی۔

''کچھ بھی نہیں بھئی' ہاتھ دیکھ رہا تھا میں اس کا۔ تم خوامخواہ بے چاری پر بگڑ گئیں۔'' اس نے جان بوجھ کر اسے بے چاری کہا۔

''بے چاری۔'' لفظ بے چاری پر وہ تلملا اٹھی تھی۔ ''ہاتھ دیکھنے کے لیے ہاتھ پکڑنا ضروری نہیں ہوتا'' اس نے تڑختے ہوئے کہا تھا۔

''اوہ! تو اصل جلن اس بات کی ہے۔ میں بھی سوچ رہا تھا یہ تلملاہٹ کس بات پر ہے۔''

''مجھے جلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم ہاتھ پکڑ کر لکیریں دیکھو یا سر پر بٹھا کر' مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ سمجھے تم۔'' اس کا مزاج ابھی تک برہم تھا۔

''جل تو تم رہی ہو۔ اب اقرار نہ کرو تو اور بات ہے۔ اچھا لاؤ' تمہارا ہاتھ دیکھوں۔'' وہ بہت صلح جو انداز میں اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔

''جی نہیں شکریہ مجھے نہیں دکھانا کیونکہ میں جانتی ہوں آپ کم از کم مجھے اتنا سہانا مستقبل ہرگز نہیں دکھائیں گے۔'' اس نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

''اچھا اب ناراض تو مت ہو!'' وہ اس کے پھولے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں کیوں ناراض ہوں گی۔ وہ بھی مس ڈپارٹمنٹ کے لیے وہ مسکرادی لیکن آئندہ جب بھی اس کا ہاتھ دیکھنا ہو تو ہاتھ پکڑنے کی ضرورت نہیں۔'' اس کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی تھی۔

''جی بہتر اور کچھ!'' وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

''بس۔''

''اب تم وہ کام بتاؤ جس کے لیے تم صبح سے بے چین پھر رہی ہو۔''

''تمہیں کیسے پتا کہ مجھے کوئی کام ہے۔'' اس نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''کیونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' وہ بہت سکون سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''بکواس مت کرو۔'' اس نے اپنی جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ ''اچھا یہ دیکھو یہ اردو مضمون نگاری میری بالکل سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ کل سے اسے پڑھتے ہوئے میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔'' وہ بیگ سے کتاب نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

''ہر چیز اس وقت تک مشکل ہوتی ہے' جب تک ہمارا ذہن یکسو نہ ہو۔ بہرحال لاؤ میں سمجھا دیتا ہوں۔ وہ کتاب اس کے ہاتھ سے لے کر کھولتے ہوئے بولا وہ پچھلے چار سال سے ٹیوشن پڑھا رہا تھا' اتنے اچھے اور سادہ الفاظ میں سمجھاتا تھا کہ سمجھنے والے کے ذہن کی گرہیں خود بخود کھلتی چلی جاتی تھیں۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ کل تک جو چیز اسے بہت مشکل لگ رہی تھی۔ اب بہت آسان اور عام سی لگ رہی تھی۔

☆☆☆

اماں فیکٹری سے آتے ہی چپ چاپ چارپائی پہ لیٹ گئی تھیں۔ کوئی گہری سوچ تھی جو چوبیس گھنٹوں کے ہر پل ان کے ساتھ رہتی تھی۔

''کھانا لاؤں اماں۔'' وہ جو ٹیوشن کے لیے آئے بچوں کی سائنس کی کاپیوں کا ڈھیر لگائے' ڈائیگرام بنا رہی تھی۔ سب کچھ وہیں چھوڑ کے ان کے پاس آئی تھی۔

''نہیں۔ ایک پیالی چائے بنا دو۔'' اماں نے بہت تھکے تھکے لہجے میں کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تم نے آج پھر دروازہ کھلا رکھا' کتنا منع کرتی ہوں میں تمہیں۔'' اسے کچن کی طرف جاتے ہوئے پیچھے سے اماں کی ڈانٹ سنائی دی۔

''دھیان نہیں رہتا اماں! بچے آتے جاتے رہتے ہیں تو پھر بار بار اٹھنا پڑتا ہے۔'' اس نے کچن سے ہی اپنی کوتاہی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ان سے کہو ایک وقت پہ آیا کریں اور یہ ڈائیگرام تم کیوں بنا کے دیتی ہو انہیں۔ خود کیوں نہیں بناتے۔ یہ امتحانوں میں کیا کریں گے۔ سارا بوجھ اپنے سر پہ لے رکھا ہے۔ صحت پہلے ہی گرتی جا رہی ہے تمہاری۔ مجھے یہ نقصان میں لپٹا ہوا فائدہ نہیں چاہیے۔'' اب ان کے لہجے سے تشویش جھانکنے لگی تھی۔

''یہ کوئی طریقہ ہے۔ اس طرح تو کوئی بھی اپنی جان نہیں مارتا۔'' ان کے لہجے میں چھپی تشویش پر اسے اماں پر جی جان سے پیار آیا تھا۔

''اماں! کچھ نہیں ہوتا مجھے۔'' وہ چائے کا کپ سامنے رکھتے ہوئے لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی تھی۔

''اللہ نہ کرے' اماں نے دہلتے ہوئے سوچا تھا' دوا وقت پر کھایا کرو' سب سے اہم اپنا آپ ہونا چاہیے پھر کوئی دوسرا کام۔'' انہوں نے بہت دھیمے لہجے میں اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔

''وقت پر ہی کھاتی ہوں اماں!'' وہ آہستہ سے کہتے ہوئے بچوں کی طرف بڑھ گئی۔

''ٹیچر! کل میرا میتھ کا ٹیسٹ ہے۔'' فائیو کلاس کے ایک بچے نے اسے دیکھتے ہی منہ لٹکایا۔

''اوہو! تو اس میں اتنا منہ لٹکانے والی کون سی بات ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''لاؤ کتاب۔'' وہ بچے کو سوال سمجھانے لگی تھی۔ بچہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ایک ہی سوال اسے دس بار سمجھانا پڑ رہا تھا۔

مغرب کی اذان شروع ہو چکی تھی جب آپا واپس آئیں اور اسے ابھی تک بچوں کو پڑھاتا دیکھ کر وہ ناراض ہونے لگی تھیں۔

''مغرب کی نماز کا وقت ختم ہو رہا ہے مریم! تم کب چھٹی دو گی ان کو۔''

''کل علی کا ٹیسٹ ہے' اس لیے آج دیر ہو گئی۔'' اس نے ذرا کی ذرا کتاب سے نظریں اٹھاتے ہوئے جواب دیا اور نماز پڑھنے کے بعد بھی' اس نے بچوں کی چھٹی نہیں کی تھی۔ ساڑھے سات بجے تک وہ مسلسل ان کو پڑھاتی رہی اور پھر بچوں کے جاتے ہی دروازہ بند کر کے وہ کچن میں چلی آئی جہاں آپا کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

''تمہارے یہ طریقے مجھے بالکل پسند نہیں۔'' ان کی ناراضی بدستور قائم تھی۔

''آپا! ان کی پڑھائی کی ساری ذمہ داری مجھ پر ہے۔ میں ان سے لاپروائی نہیں برت سکتی۔''

''میں یہ نہیں کہتی تم لاپروا ہو جاؤ۔ ذمہ داری ضرور لو مگر اس حد تک نہیں۔ ایک ہی مشق سات بار کروائی ہے تم نے علی کو جبکہ وہ اچھی طرح اسے سمجھ میں آ چکی تھی۔'' وہ اسے ڈپٹتے ہوئے بولی تھیں۔

''بس یا کچھ اور۔'' ان کی لمبی چوڑی ڈانٹ کے جواب میں اس نے بہت سکون سے پوچھا آپا نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں کمرے میں جا رہی ہوں' کھانا وہیں لے آئیں۔'' وہ باہر نکلتے ہوئے بولی تھی۔

اندر جاتے ہی وہ اماں کے پاس ان کی چارپائی پہ چڑھ کے بیٹھ گئی تھی۔

''اماں۔''

''ہوں۔''

''جب میں نوکری کروں گی ناں پھر آپ کی نوکری چھڑوا دوں گی۔'' اس نے خالص بیٹوں والا انداز اپنایا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' اماں نے اس کا دل رکھتے ہوئے ہنس کر کہا تھا۔

''ہاں جب مریم کو نوکری مل جائے گی ناں تو پھر ہم یہ کرائے کا مکان چھوڑ کر بنگلہ خرید لیں گے۔ کیوں اماں۔'' آپا نے اندر آتے ہوئے مسکرا کر جواب طلب نظروں سے اماں کی طرف دیکھا تھا۔

''ہر بات کے دو رخ ہوتے ہیں نیگیٹو بھی' اور پوزیٹو بھی اگر ہماری ایک اچھی سوچ سے ہمیں سکون مل سکتا ہے تو کیا حرج ہے۔''

''فرض کرو سوچ لیا' اس سے کیا ہوگا۔ فرضی سوچ' فرضی سکون کھلے لفظوں میں بہلاوا۔'' آپا اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی تھیں۔

''جو سارا دن روزی روٹی کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے ہوں انہیں بہلاوے سکون نہیں دیتے۔ زندگی سوچ کے سہارے نہیں گزاری جاتی مریم۔'' آپا نے اماں کے لیے پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے کہا۔

''ہر عمل سے پہلے ایک سوچ ہوتی ہے اور ہر سوچ ایک عمل کو جنم دیتی ہے۔ سوچ جتنی اچھی ہوگی عمل اتنا ہی بہتر ہوگا۔'' وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔

''تو پھر کیا سوچا ہے تم نے۔''

''بہت سی اچھی باتیں۔'' اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

''مثلاً!'' انہوں نے نوالہ چباتے ہوئے پوچھا۔

''جب مجھے نوکری ملے گی تب میں اماں کے لیے سرخ غلاف والا تخت بنواؤں گی جس پر بیٹھ کر اماں سارا دن مجھے حکم دیا کریں گی۔ مریم جوتا لاؤ مریم کھانا لاؤ!'' وہ اماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر ہنستے ہوئے بولی۔ اماں نے پیار سے اس کا ماتھا چوم لیا۔

''صرف تمہیں! اماں مجھے بھی تو آواز دیں گی۔'' آپا نے احتجاج کیا تھا۔

''آپ کی تو شادی ہو جائے گی ناں۔''

''کیوں وہ سہانے دن میں کیوں نہیں دیکھوں گی۔''

''کبھی کبھی آجایا کیجئے گا۔'' اس نے شاہانہ انداز میں اجازت دیتے ہوئے کہا تھا

''اور جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو پھر اماں کسے حکم دیا کریں گی۔'' آپا نے ایک نیا پوائنٹ نکالا۔

''اماں اور میں ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ بھئی میں بیمار بندہ' ماں کے بغیر کیسے رہ پاؤں گی' کسی دن چپکے سے مر مرا جاؤں تو پتا بھی نہ چلے۔'' اس نے انتہائی برا مذاق کیا تھا۔ کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ صرف برتنوں کی آواز تھی' جو آپا اٹھا کر باہر لے جا رہی تھیں۔ اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

''عشاء کی نماز پڑھے بغیر بستر پہ مت جانا۔ پڑتے ہی سو جاتی ہو' پتا نہیں اس نماز کی اتنی سستی کیوں ہے تمہیں۔ چار دیواری بنا کے چھت نہیں ڈالا تو دیواروں کا فائدہ جب سر پر سائبان نہ ہو۔ اٹھ کے نماز پڑھو۔'' اماں اسے بہت ہلکی آواز میں ہدایت کرتے ہوئے اٹھی تھیں۔

''جی اماں!'' اس کی شرمندگی میں ڈوبی آواز ابھری۔

☆☆☆

''چنل!'' وہ یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا جب بھابھی نے اندر آتے ہوئے اسے پکارا۔

''جی!'' اس نے بالوں میں برش کرتے ہوئے پلٹ کر کہا۔

''تم آج یونیورسٹی مت جاؤ۔''

''کیوں۔''

''میں چاہ رہی تھی۔ تم آج ان کے ساتھ ہاسپٹل چلے جاتے۔ آج نو تاریخ ہے نا' چیک اپ کی تاریخ دی تھی ڈاکٹر نے۔'' وہ پلنگ پر پڑے اس کے کپڑے اٹھا کر کھونٹی پر لٹکاتے ہوئے بولیں۔

''مجھے یاد ہے بھابھی! شام کی اپائنٹمنٹ لے چکا ہوں۔ میں ڈاکٹر سے ان کے پرائیویٹ کلینک میں دکھانا چاہ رہا تھا۔ گورنمنٹ ہسپتالوں میں تو بالکل توجہ نہیں دیتے ڈاکٹرز۔''

''لیکن پرائیویٹ کلینک کی فیس۔''

''آپ کیوں پروا کرتی ہیں' میں ہوں ناں۔'' وہ ان کے دونوں شانوں پر اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں' تم ہی تو ہو۔'' وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

''بھائی کیا کر رہے ہیں۔''

''ناشتہ کر رہے ہیں۔ چلو آؤ تم بھی۔'' وہ باہر نکلتے نکلتے بھی اس کے سلیپر دروازے کے پیچھے رکھتے ہوئے بولیں۔ وہ ان کی نفاست پسندی پر بے ساختہ مسکرایا تھا۔

''بھابھی! ناشتہ بھائی کے کمرے میں لے آیئے گا' وہیں بیٹھا ہوں میں۔'' اس نے صحن میں کھڑے ہو کر کہا اور بھائی کے کمرے میں چلا آیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔'' اس نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں' تم آج یونیورسٹی نہیں جاؤ گے۔'' انہوں نے اس کے پرسکون انداز کو دیکھتے ہوئے پوچھا ورنہ تو وہ ہمیشہ بہت عجلت میں ہوتا تھا۔

''نہیں' آج چھٹی کا موڈ ہے' اکیڈمی بھی نہیں جاؤں گا۔'' اس نے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا۔ وہ اس کی چھٹی کی وجہ جانتے تھے مگر کہہ نہیں پائے۔

''آپ جائیں گے آج۔'' اس نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں' آج بہت تھکن ہو رہی ہے۔ یوں بھی میں ریٹائرمنٹ کا سوچ رہا تھا اگر کوشش کر کے ممکن ہو سکے تو۔''

''میں دیکھوں گا۔'' وہ ان کی ادھوری بات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

''بھابھی پتا نہیں کیا کر رہی ہیں' میں دیکھتا ہوں۔'' وہ بات بدلتے ہوئے بولا۔

''آ گئی ہوں بابا! آج کس بات کی جلدی ہے تمہیں۔ آج گھر میں ہو تو ہر کام سکون سے کرنا ہو گا۔ ہر وقت کی افراتفری سے تھکتے نہیں ہو تم۔'' وہ ناشتے کی ٹرے میز پر رکھ کے اسے ڈانٹنے لگیں۔

''اور آپ ہر وقت گھر کے کام کرتے ہوئے تھکتی نہیں۔'' اس نے ٹرے اپنی طرف کھسکائی۔

''بالکل نہیں۔''

''اسی طرح میں بھی نہیں تھکتا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیکن میں تھکنے لگا ہوں۔'' ان کی بہت دھیمی سی آواز ابھری تھی۔

''ایسا کیوں کہتے ہیں آپ!'' وہ ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔

''میں تمہیں بہت خوشیاں دینا چاہتا تھا۔'' وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

''ہم خوش ہیں بھائی ہم سب۔'' اس نے محبت سے ان کا ہاتھ چوما تھا۔

''نہیں جو میں نے سوچا تھا وہ نہیں ہوا۔ جو میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ ہو رہا ہے۔ میں تم دونوں کو بہت سی خوشیاں دینا چاہتا تھا' لیکن نہیں دے پایا۔ تمہیں نہ تمہاری ماں کو ماں کہتے ہو نا تم اسے ہمیشہ ماں کہتے رہنا' ہو سکتا ہے اسی طرح ہی اس عورت کی کوئی ایک خواہش پوری ہوتی ہو۔'' وہ کہہ رہے تھے اور وہ مستقل ان کے ہاتھ سہلا رہا تھا۔ بھابھی

چپ چاپ ان کے پائنتی بیٹھی تھیں۔

''مجھے کچھ نہیں چاہیے بھائی' مجھے صرف آپ کا پیار چاہیے!'' مریم کے کہے الفاظ اسے اپنی زبان پر بہت اجنبی محسوس ہوئے تھے۔

''جب تم چھوٹے تھے تو ہر وقت میرے کندھوں پر چڑھے رہتے تھے مجھے جہاں بھی جانا ہوتا تم میرے ساتھ ہوتے!'' وہ کچھ پل کو خاموش ہوئے تھے ماضی کی کوئی خوب صورت بات یاد آئی تھی کہ ان کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ چھا گئی تھی۔ ''جب پہلی بار تمہاری بھابھی کے گھر والے مجھے دیکھنے آئے' اس دن بھی تم میرے کندھوں پر بیٹھے رہے۔ اماں نے لاکھ ڈپٹا' لیکن تم نہیں ملے وہاں سے۔ کبھی میرے بال بکھیرتے تو کبھی کان میں سرگوشیاں کرنے لگتے سب ہنستے رہے لیکن تمہیں احساس نہ ہوا اور جس دن میں دولہا بنا' تم شہ بالا بنے تھے' گلے میں ہار ڈالے سارے باراتیوں میں شان سے گھومتے رہے' شوق کا یہ عالم کہ گھر واپس آ کے بھی ہار نہیں اتارے' خالہ صفیہ نے ڈانٹ کر اتروانے چاہے مگر تم تو مرنے مارنے پر تل گئے۔ بیچ صحن کے ایڑیاں رگڑ رگڑ کے روئے تم' خالہ صفیہ کے وہ بخیے ادھیڑے تم نے کہ وہ تو کان پکڑ کر توبہ توبہ کرنے لگیں' اور اماں کی تو ہنسی نہ رکتی تھی تمہاری اس دیوانگی پر تم روتے جاتے تھے اور اماں ہنستی جاتیں۔'' بھائی کی باتوں پر اس نے اور بھابھی نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

''واقعی ایسے کیا تھا میں نے پھر مجھے چپ کس نے کروایا'' اس نے جھینپتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں کون چپ کروا سکتا تھا بھائی! اماں نے خالہ سے کہا' ہار واپس لا کے اسے پہنا دو۔ خالہ نے ایسے ہی کیا ہار گلے میں پہنتے ہی تمہارا باجا بند ہو گیا اور یہ ترکیب کامیاب رہی۔'' اب کی دفعہ بھابھی نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''آپ کو کیسے پتا اس بات کا۔''

''مجھے وہیں صحن میں ہی تو لا کر بٹھایا گیا تھا سارا' میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔''

''بچپن میں بھی کتنا احمق ہوتا ہے انسان!'' وہ کھسیاتے ہوئے بولا۔

''اماں بہت چاہتی تھیں تمہیں' بہت پیار کرتی تھیں تم سے۔'' وہ پیار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''بھابھی بھی اماں کا دوسرا روپ بن چکی ہیں۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے مجھے تو اماں ہی کا عکس نظر آتا ہے ان میں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

آج بہت دن بعد وہ کھل کر باتیں کر رہے تھے اور وہ اپنے اندر سے خوشی پھوٹتی محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

''امیر آدمی کی زبان دھات کی بنی ہوتی ہے۔ وہ جو لفظ بھی بولتے ہیں۔ وہ سونا بن کر نکلتا ہے۔ اس کی ہر بات موتیوں کے برابر ہوتی ہے۔ اس کا ہر لفظ موتی' اس کی ہر سوچ موتی اور غریب کی زبان مٹی کی زبان ہوتی ہے وہ جو لفظ بھی بولتا ہے۔ وہ مٹی بن کر نکلتا ہے لیکن وہ مٹی کے خوف سے بولنا تو نہیں چھوڑے گا۔ اس کے خواب مٹی بنتے رہیں گے' لیکن وہ خواب دیکھتا رہے گا۔

غریب انسان تو سراسر غلط ہے' بہت حسب حال سا ایک شعر ہے۔

زندگی کچھ اس طرح سے گزری دانش

جیسے بازار سے نادار گزر جاتا ہے

کبھی ایسی بے بسی محسوس کی ہے' تم نے تم بازار جاؤ۔ بہت کچھ لینا چاہو' لیکن خالی ہاتھ واپس آؤ۔ بازار میں دنیا کی ہر چیز سجی ہو۔ اسے خریدنے کی تمہاری خواہش بھی شدید ہو لیکن اس خواہش سے کئی گنا شدید یہ اذیت ہوتی ہے کہ آپ اسے خرید نہیں سکتے۔ خالی جیب کی اذیت انہیں بھڑکتی ہوتی آگ ہے جو آپ کو جلا کے راکھ کر دیتی ہے۔'' اس نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لگایا تھا۔

''اسے کوئی ایسی خواہش کرنی ہی نہیں چاہیے جو اس کی دسترس سے باہر ہو۔'' مریم نے سر جھکائے گھاس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آہستگی سے کہا تھا۔

''انسان کی خواہش اس کی دسترس میں نہیں ہوتی۔'' اس نے بہت چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

وہ سگریٹ پہ سگریٹ پھونک رہا تھا۔ مریم خاموشی سے اپنی کتابیں سمیٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''اوکے! میں چلتی ہوں۔'' وہ ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ ''کبھی محسوس ہوتا ہے' اسے مجھ سے بہت محبت ہے اور کبھی ایسا لگتا ہے' میں اس کی زندگی میں ہوں ہی نہیں' اس کی زندگی میں سب سے پہلے پیسہ ہے بعد میں میں......''

کلاس روم میں پہنچنے تک پیریڈ شروع ہونے کے بعد تک وہ اس کی باتوں پر سوچتی رہی تھی۔

☆☆☆

بیچ سڑک پہ آ کے بائیک رک گئی۔ اس نے کوفت سے نیچے اترتے ہوئے ٹنکی چیک کی۔ بائیک میں پٹرول بالکل ختم ہو چکا تھا اور اس وقت اس کی جیب میں صرف پندرہ روپے تھے۔ پندرہ روپے کا پٹرول ڈیڑھ گھنٹے کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اس کی کوفت جھنجلاہٹ میں بدلنے لگی۔ وہ بائیک کو گھسیٹ کر نزدیکی پٹرول پمپ تک لایا اور وہاں کے مالک

سے بات کر کے بائیک وہیں کھڑی کرنے کے بعد وہ بس اسٹاپ کی طرف بڑھ گیا۔ آدھے گھنٹے بعد بس کچہری روڈ پر رکی۔ وہ چھلانگ لگاتے ہوئے نیچے اترا' کچہری میں اس وقت خاصا رش تھا۔ وہ سیدھا کلرک آفس گیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک پل کو تو وہ چکرا سا گیا تھا۔ یونیورسٹی سے سیدھا وہ یہیں آیا تھا اور اب بھوک اور پیاس سے اس کا برا حال تھا۔ اپنے اوسان بحال کرنے کے لیے وہ دروازے کے پاس پڑی ہوئی لکڑی کی کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور نظریں کمرے کا طواف کر رہی تھیں۔ جیسی کرسی پر وہ بیٹھا تھا بالکل ویسی ہی دو اور کرسیاں بھی دائیں دیوار کے ساتھ رکھی تھیں' دو پھٹے ہوئے فوم کی کرسیوں کے سامنے میلا سبز رنگ غلاف والی لکڑی کی میز اور اس کے اوپر پڑے ہوئے لاتعداد بکھرے ہوئے کاغذات اور میز کی پچھلی دیوار پر لگی ہوئی قائداعظم کی تصویر جس پر جمی ہوئی مٹی کی دبیز تہہ اتنے فاصلے سے بھی واضح نظر آ رہی تھی۔

اسے جانے کیا سوجھی تھی' وہ ایک پل میں اٹھا اور اس تصویر کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا' پھر اسے نیچے اتار کر اپنی جیب سے رومال نکالا اور تصویر کے فریم کو صاف کرنے لگا تھا۔ آفس میں بیٹھے ہوئے دو کلرک حضرات نے بہت حیرانی سے اس کے اس عمل کو دیکھا تھا۔ وہ تصویر کی گرد جھاڑ کر کرسی پر آ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔

''مجھے وجدان کہتے ہیں۔ میں ایقان احمد کا بھائی ہوں۔'' اس نے ان کی حیرت دور کرنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان دونوں سے ہاتھ ملایا۔

''آپ ان ہی کے بھائی ہو سکتے تھے۔'' ان میں سے ایک کلرک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ تصویر صرف وہ ہی صاف کیا کرتے ہیں' حیرت انگیز طور پر آپ دونوں بھائیوں کی عادتیں ملتی ہیں۔'' اس نے اسے بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے کہا۔

''بات عادت کی نہیں محبت کی ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو لاجواب کیا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے اب ایقان صاحب کی۔'' ان میں سے ایک کلرک نے کاغذوں کا پلندہ سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک ہیں۔'' وہ فقط اتنا ہی کہہ پایا تھا۔

''جی ہمارے لائق کوئی خدمت۔'' اس نے بہت پروفیشنل انداز میں پوچھا تھا۔ ''ایقان صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تھی تو ہم نے ہی انہیں یہ مشورہ دیا تھا کہ اب وہ آرام کریں۔''

''جی!'' اس نے ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں اسی سلسلے میں حاضر ہوا تھا۔ وہ بیمار رہتے ہیں۔ ڈیوٹی دے نہیں سکتے۔ اب یہی سوچا ہے کہ اگر ریٹائرمنٹ لے لی جائے کیونکہ اب ان کی صحت کام کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔''

''دیکھیں' قبل از وقت ریٹائرمنٹ کے جھمیلے بہت ہوتے ہیں اور پھر گریجویٹی کا مسئلہ بڑا مشکل ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔

''جی میں جانتا ہوں' میں آپ لوگوں سے مشورہ کرنے ہی آیا تھا کہ کیا کرنا ہوگا۔'' وہ ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ایک حل اور بھی ہے۔'' دوسرے کلرک نے پیپر ویٹ سے کھیلتے ہوئے کہا۔

''وہ کیا۔''

''چونکہ ان کی ریٹائرمنٹ میں ابھی کافی سال ہیں۔ گریجویٹی تو یوں بھی مشکل ہوگی' کورٹ کچہریوں کے چکر میں جتنا آپ سرکار پر لگادیں' اتنا تو وہ آپ کو دے گی بھی نہیں۔ ہاں آدھی تنخواہ پر بات ٹھہر سکتی ہے۔ چونکہ وہ بیمار ہیں اور پھر قانونی طور پر یہ ان کا حق بھی بنتا ہے' اتنی تنخواہ گورنمنٹ سے انہیں گھر بیٹھے بھی مل سکتی ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ جہاں تک گریجویٹی کی بات ہے' وہ تو ریٹائرمنٹ کی مدت ختم ہونے کے بعد ہی مل سکتی ہے۔'' وہ ان کی بات پر ہولے ہولے سر ہلا رہا تھا۔

''اوکے سر! مجھے اجازت ہے۔'' وہ ایک پل میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہ ان دونوں سے ہاتھ ملاتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

موسم صبح سے ابر آلود تھا۔ ہلکی ہلکی کن من اور ٹھنڈی ہواؤں نے اس حبس زدہ موسم کو خوشگوار و دلکش بنا دیا تھا۔ سارا ڈپارٹمنٹ باہر گراؤنڈ میں جمع تھا۔ ساون کی پہلی بارش طالب علموں کے لیے جنت سے کم نہیں تھی۔ کم ہوتی بھی نہیں لیکن مریم نے صبح سے ایک بار بھی قدم کلاس روم سے باہر نہیں نکالا تھا۔

''میرا جی چاہتا ہے' میں تمہارا سر پھاڑ دوں۔'' آمنہ نے قہر آلود نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''پھاڑ دو۔'' اس نے بہت سکون سے جواب دیا تھا۔

''آخر باہر نکلنے میں حرج کیا ہے۔ تم پر پتا نہیں اتنی مردہ دلی کیوں چھائی ہے۔ میرا تو دل چاہ رہا ہے۔ میں اڑ کے باہر پہنچوں۔'' وہ بچوں کی طرح پر جوش ہو رہی تھی۔

''فضول خواہش نہیں کرتے تم لاکھ چاہنے کے باوجود بھی اڑ نہیں سکتیں پھر خواہش کرنے سے فائدہ۔'' مریم نے مسکرا کر گویا نمک چھڑکا تھا۔

''وہ مس ڈپارٹمنٹ باہر وجدان کے ساتھ بیٹھی ہے' اور دونوں بارش میں بھیگ بھی رہے ہیں۔'' آمنہ نے اپنی طرف سے اسے طیش دلایا تھا۔

''بھیگنے دو۔'' اس کا سکون قابل دید تھا۔

''ہاں بھیگنے دو' اگر ساون میں بھیگتے بھیگتے وہ دونوں پیار کی بارش میں بھیگنے لگے تو پھر سر پکڑ کر روتی رہنا۔'' اس نے اپنی طرف سے مستقبل کا نہایت خوف ناک نقشہ کھینچا تھا مگر دوسری طرف ذرہ برابر پروا نہیں تھی۔

''دل پشوری انسان کا پیدائشی حق ہے' آج جی بھر کے خوش ہونے دو میرے محبوب کو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس نے دل پشوری کرنی ہے تو صرف تمہارے ساتھ کرے' کسی اور کے ساتھ کرے گا تو میں اس کا سر پھاڑ دوں گی۔''

''کیوں بھڑک رہی ہو اتنا۔ وہ میرے ساتھ دل لگا کے پچھتا رہا ہے۔ کسی دوسری کے ساتھ یہ غلطی نہیں کرسکتا۔''

''سبحان اللہ! محبوب باہر رنگ رنگیلی تتلیوں کے بسنتی ملبوس دیکھ دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر رہا ہے اور تنہا کمرے میں بیٹھی محبوبہ کا اعتماد دیکھیے۔'' آمنہ نے چڑتے ہوئے کہا۔

''آخر کیا چاہتی ہو تم۔'' وہ اس کے انداز میں ہنستے ہوئے بولی تھی۔ ''بننے کی کوشش مت کرو.....ڈونا ٹ ٹرائی ٹو پوز.....'' وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''اچھا بابا! تم جیتیں' میں ہاری۔ اب خوش۔'' وہ ہاتھ جوڑ کے اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''میں تمہیں ہرا کر خوش نہیں ہوسکتی۔'' اس نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اور میں کیسے جیتوں گی۔''

''تم باہر آؤ' اپنی جیت کا احساس تمہیں خود ہو جائے گا۔'' اس نے معنی خیز لہجہ اپناتے ہوئے کہا تھا۔

''اوکے۔ ہم بھی دیکھتے ہیں اپنی جیت کا مزہ۔'' وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

باہر ابھی تک بونداباندی جاری تھی۔ دروازے سے باہر نکلتے نکلتے وہ دوبارہ رک گئی۔ ''بارش ہو رہی ہے آمنہ!'' اسے اپنی طرف گھورتے پا کر وہ منمنائی تھی۔

''تو کون سی قیامت آگئی ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ کھینچ کر باہر نکلتے ہوئے بولی تھی۔

گراؤنڈ میں کیچڑ ہو رہی تھی مگر پروا کس کو تھی۔ کوئی چہل قدمی کر رہا تھا تو کوئی گھاس پر ہی آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ فرینڈ شپ روڈ تک پہنچتے پہنچتے وہ دونوں اچھی خاصی بھیگ چکی تھیں۔

''غلطی کی ہے ہم لوگوں نے' ہمیں باہر نہیں آنا چاہیے تھا۔'' مریم نے اپنا دوپٹہ پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''غلطی پر پچھتانا بے وقوفی ہوتی ہے۔'' آمنہ نے کلستے ہوئے کہا۔

''وہ دیکھو...... وہاں۔'' آمنہ نے چلتے چلتے ہاتھ سے اشارا کرتے ہوئے اسے کچھ دکھایا تھا۔

''کہاں۔'' اس نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہاں لائبریری کی سیڑھیوں پر وجدان اور اجمل کا گروپ بیٹھا ہے اگر وجدان تمہیں دیکھ کر تمہاری طرف آ گیا تو سمجھو' جیت تمہاری۔''

''اگر وہ مجھے دیکھ لینے کے باوجود میری طرف نہ آیا تو۔'' اس نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

''لیکن تمہیں تو اپنے پیار پر بہت اعتماد ہے۔'' وہ اس کے خدشے پر حیران ہوتے ہوئے بولی تھی۔

''اعتماد تو ہے' مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ ہر وقت ہمارے پلو سے بندھا رہے' دیکھو ناں اپنے بھی ہزار کام ہوتے ہیں انسان کو۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ باہر نکلتے ہی تمہارے نظریات کیوں بدلنے لگے۔'' آمنہ نے کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے ٹیڑھی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تم بھی تو سیدھا سیدھا چیلنج پر اتر آئی ہو۔'' وہ اس کی کمر پر دھپ لگاتے ہوئے بولی تھی۔ ''اب یہاں سے نکلو۔ جلدی کم از کم سامنے برآمدے تک تو پہنچو بارش تیز ہونے لگی ہے۔'' وہ اس کا ہاتھ کھینچتے ہوئے بولی۔

''اب ایک منٹ کے لیے نہیں رکنا۔ تیز تیز چلو۔'' آمنہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر خود کو اور اسے تقریباً دوڑانے لگی تھی۔

اور وہ اس کا ہاتھ پکڑے بارش سے بچنے کے لیے اسی رفتار سے دوڑتی رہی' تیز دوڑنے کی وجہ تھی یا مسلسل برستی بارش' اسی پل اس کا سانس اکھڑا تھا۔ آمنہ کے ہاتھ میں تھمے اس کے ہاتھ کی گرفت یک لخت ڈھیلی پڑی تھی۔

اس کے ہاتھوں کی بے جان گرفت کو محسوس کرتے ہوئے ہی آمنہ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا جو خطرناک حد تک زرد پڑتے چہرے کے ساتھ زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

''مریم!'' اس کی کانپتی ہوئی آواز ابھری' لیکن مریم اپنے سینے کو مسلتے ہوئے زمین پر گر چکی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے بمشکل سانس بند ہونے کا اشارا دیا تھا۔

اس قدر غیر متوقع خوفناک صورت حال تھی کہ آمنہ کی آواز نکل نہیں پا رہی تھی۔ اس نے خوف سے پھٹی ہوئی

آواز میں سیڑھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے اسے پکارا تھا۔

''وجدان! وجدان!'' وہ پاگلوں کی طرح اسے پکار رہی تھی۔ کئی لڑکے اور لڑکیوں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا اور مدد کے لیے بھاگے تھے۔

پاکستان کے امیر عوام پر بحث کرتے ہوئے اس کے کانوں میں اپنے نام کی پکار گونجی تھی۔ اس نے یک دم پیچھے دیکھا تھا اور پھر جیسے سن ہو کر رہ گیا تھا۔ گراؤنڈ کے بیچوں بیچ آمنہ نہایت خوفزدہ حالت میں کھڑی تھی اور اس کے قریب مریم اس برستی بارش میں ٹھنڈی گھاس پر بالکل چت پڑی تھی۔ آس پاس لوگوں کا بڑھتا ہوا ہجوم وہ ایک لمحے میں اس خوفناک سچویشن کو سمجھ گیا تھا۔ اپنے اردگرد دیکھے بغیر وہ پاگلوں کی طرح اس طرف دوڑا تھا۔

''وجدان! مریم!'' وہ اسے دیکھتے ہی بلکنے لگی تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا!'' وہ اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے بمشکل کہہ پایا تھا۔

''مریم!'' اس نے گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اسے پکارا تھا' جس کی رنگت سانس کھینچنے کی کوشش میں نیلی پڑ چکی تھی۔

''مریم'' اس نے اس بار اس کا گال تھپتھپایا' لیکن اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی اور مسلسل اپنے دونوں پاؤں زمین پر مار رہی تھی۔

''وجدان! میں گاڑی نکال رہا ہوں تم مریم کو لے کر فوراً باہر آؤ'' اجمل نے ایک سیکنڈ میں صورت حال کو بھانپ لیا تھا۔

''ہاں میں لا رہا ہوں۔ آمنہ! تم کلاس روم سے اس کا بیگ لے کر آؤ'' اس نے مریم کو اپنی بانہوں میں اٹھاتے ہوئے آمنہ کی طرف دیکھا۔ آمنہ نے کلاس روم کی طرف دوڑ لگائی۔ وہ اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا کر گراؤنڈ پار کر چکا تھا جب آمنہ بیگ لے کر پہنچی تھی۔

''کھولو اسے!'' اسے آتے دیکھ کر وہ تیزی سے بولا۔

آمنہ نے ایک سیکنڈ میں سارا بیگ الٹ دیا۔ کتابیں پیپرز اور پین کے علاوہ اور کوئی چوتھی چیز بیگ سے نہیں نکلی تھی۔

''کیا مریم ان ہیلر ساتھ نہیں لاتی۔'' اس نے بیگ سے نکلی ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کبھی کبھار لاتی ہے۔'' وہ صرف اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ!'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھا۔

آمنہ بھی چیزیں واپس بیگ میں ڈالتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑی تھی' ان لوگوں کے باہر آنے تک اجمل گاڑی پارکنگ سے نکالنے کے بعد اسٹارٹ کر چکا تھا۔ مریم کو پچھلی سیٹ پر لٹانے کے بعد وہ تیزی سے فرنٹ سیٹ پر اجمل کے برابر آ کر بیٹھا۔ آمنہ کے پیچھے آ کر بیٹھتے ہی گاڑی تیزی سے باہر روڈ پر نکلی تھی۔

''ہاسپٹل یا کلینک۔'' اجمل نے وجدان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاسپٹل۔'' اس نے فکرمندی سے پچھلی سیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔ اجمل نے گاڑی ہاسپٹل روڈ کی طرف موڑ دی تھی۔

''مریم! تم ٹھیک ہونا!'' آمنہ اس پر آیات پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھی۔

''ہاں!'' اس کی ہلکی سی آواز وجدان کے کانوں میں اتری تھی' اس کا سانس ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہا تھا۔ آمنہ کی گود میں رکھے ہوئے اپنے سر کو وہ مسلسل دائیں بائیں مار رہی تھی۔ آمنہ اپنے بہتے آنسوؤں کے درمیان بار بار اپنی گود میں رکھی اس کی پیشانی چوم رہی تھی۔

کلینک کے سامنے گاڑی روکتے ہی وہ دونوں تیزی سے باہر نکلے۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کے فوراً بعد اسے بیڈ پر لٹاتے ہوئے سانس بحال کرنے کے لیے' ان ہیلر لگا دیا تھا۔ سانس کی رفتار چیک کرتے ہوئے ڈاکٹر نے سر اٹھا کر ان تینوں کی طرف دیکھا۔

''بیٹھ جائیں آپ لوگ......'' انہوں نے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ان تینوں کو بھی بیٹھنے کا اشارا کیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے اس کی۔'' وجدان نے بیڈ پر پڑے اس کے وجود پر ایک نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''ان ہیلر لگا دیا ہے۔ اب طبیعت سنبھل جائے گی' دمہ کے مریض کو ہر لمحہ ان ہیلر اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ لاپروائی میں اپنی ہی جان کا نقصان ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایک پڑھا لکھا انسان اتنی غیر ذمہ داری کا ثبوت دے۔ ایسے مریض کا کسی بھی وقت' کسی بھی جگہ سانس اکھڑ سکتا ہے۔'' نرس انجکشن لگانے کے لیے آئی۔ وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس طرف گئے۔ وہ بھی کرسی سے اٹھتے ہوئے ان کے پیچھے گیا۔ بازو میں سوئی چبھنے سے وہ ذرا سا کسمسائی تھی۔ انجکشن سخت تھا۔ اس کے بازو پر اس جگہ ہلکا سا نیلا نشان بن گیا تھا۔ وہ بغور اس نشان کو دیکھنے لگا۔

''اب ہم انہیں گھر لے جا سکتے ہیں۔'' اجمل نے پوچھا۔

''جی ہاں اب یہ بہتر ہیں' آپ لوگ گھر لے جا سکتے ہیں انہیں۔'' ڈاکٹر نے اپنے پروفیشنل انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''تھینک یو۔'' جواباً وہ بھی مسکراتے ہوئے اٹھا۔

وہ دونوں بیڈ کے پاس کھڑے اس سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔

''تھینک گاڈ! آج تو مروا دیا تھا تم نے ہمیں۔'' اجمل نے اسے صحیح حالت میں دیکھتے ہی سکون کا سانس لیا۔

''ایک تو مجھے لگا کہ بس اب کہانی ختم' مریم بی بی تو خدا حافظ کہہ گئی ہمیں۔'' اس کی بات پر وہ ذرا سا مسکرائی تھی' جبکہ وجدان نے اسے سخت نظروں سے گھورا تھا۔

''اور کل کوئی ضرورت نہیں یونیورسٹی آنے کی' کچھ دن ریسٹ کرو' اور دوا وقت پر کیوں نہیں کھاتی ہو تم' ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ یہ سب لاپروائی کا نتیجہ ہے' اور ان ہیلر ساتھ کیوں نہیں لاتی ہو تم۔ اس قدر غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے تم نے' جی چاہ رہا ہے۔ ایک تھپڑ لگاؤں تمہیں۔'' اسے صحیح حالت میں دیکھ کر غصہ دکھانے کو جی چاہنے لگا تھا۔

''وقت پر ہی کھاتی ہوں۔'' اس کی اتنی لمبی بات کے جواب میں اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''اگر وقت پر کھاتیں تو یہ حال ہوتا۔'' آمنہ کی بھی جان میں جان آئی تھی۔

''چلو آؤ' مجھے میڈیکل اسٹور سے دوائیاں بھی لینی ہیں۔ تم لوگ نکلو' اجمل آؤ۔'' وہ اجمل کی طرف پلٹتے ہوئے بولا۔

اپنی بیماری کے بارے میں بات کرنا اسے کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا اور وجدان سے اپنی بیماری ڈسکس کرنا اسے سخت آکورڈ لگ رہا تھا۔ اس سے کچھ چھپا ہوا تو نہیں تھا' لیکن پھر بھی وہ اس کے ساتھ اس مسئلے پر کبھی بات نہیں کرتی تھی! اب بھی وہ اس بات کو ختم کرنا چاہ رہی تھی۔

''ایڈریس بتا دو گھر کا۔'' اجمل نے گاڑی میں بیٹھتے ہی پوچھا تھا۔

''آخری منٹ اسٹاپ نمبر ۲۔'' اس نے آہستہ سے بتاتے ہوئے سیٹ کی بیک سے ٹیک لگائی تھی۔ وجدان نے اس کے لہجے کی کمزوری کو محسوس کیا اور پھر اس بارے میں مزید کچھ بھی نہ پوچھنے کا ارادہ کرتے ہوئے باہر سڑک پر نظریں جما دیں۔

☆☆☆

حادثات جہاں کے ہاتھوں ہم

کس قدر ٹوٹ ٹوٹ بکھرے ہیں

اب تو اکثر گمان ہوتا ہے

ہم زمین پر بشر نہیں

بلکہ

آسمان کی چٹان کے نیچے

پسنے والے نحیف بونے ہیں

ہم تو تقدیر کے کھلونے ہیں

اس نے کچہری سے بھائی کی تنخواہ کے پندرہ سو روپے لا کر بھابھی کے ہاتھ پر رکھ دیے تھے' انہوں نے سوالیہ نظروں سے پہلے ہتھیلی پر رکھے روپوں اور پھر اسے دیکھا۔

''تنخواہ ہے بھائی کی۔'' بہت مختصر جواب تھا۔

''تم لائے ہو۔''

''جی آج یکم ہے اور جب تک بھائی کی ریٹائرمنٹ کی مدت پوری نہیں ہو جاتی یہ آدھی تنخواہ اس گھر میں آتی رہے گی!'' اس نے کولر میں سے پانی کا گلاس بھر کر منہ سے لگایا اور ایک ہی سانس میں ختم کر دیا۔

''تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے۔ ایک ہی سانس میں پانی مت پیا کرو سانس اٹکنے لگتی ہے۔'' بھابھی نے اسے ٹوکا تھا۔

''جی بہتر!'' اس نے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ان کی بات پر اس کا دھیان کسی کی سانسوں میں اٹکنے لگا' آج کتنے دن ہو گئے۔ وہ نہیں آئی پتا نہیں کیسی ہو گی۔ آمنہ آج بتا رہی تھی کہ اب وہ ٹھیک ہے لیکن ابھی نقاہت کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں آسکتی۔ کتنا دل چاہ رہا ہے اسے دیکھنے' اس سے ملنے کو' اس سے بات کرنے کو۔ اب جب وہ آئے گی تو میں اس سے کہوں گا کہ میں علی وجدان اس سے محبت کرتا ہوں۔ بے تحاشا محبت اور یہ بھی کہ میں اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں' بالکل ویسے ہی جیسے آمنہ خوش رہتی ہے اور جیسے نتاشا بقول مریم کے مس ڈپارٹمنٹ۔'' وہ اپنی سوچ پر خود ہی ہنسا اور یونہی ہنستے ہوئے اس نے اس چھوٹے سے باورچی خانے پر چاروں طرف نظر دوڑائی تھی اور چولھے کے سامنے پڑی ہوئی پیڑھی پر اچانک مریم آکر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اپنی دیوانگی پر بہت حیران ہوا تھا۔

''پنل!'' بھابھی نے اچانک اندر آکر پکارا تو وہ چونک کر پلٹا۔

''جی اماں۔''

''کیا بات ہے' بھوک لگ رہی ہے۔'' اس کی کچن میں موجودگی سے وہ یہی سمجھی تھیں۔

''ہاں! نہیں یونہی پیاس لگ رہی تھی۔ اب تو پیاس بھی نہیں ہے۔'' وہ سامنے پڑی پیڑھی پر نظریں جماتے ہوئے بولا تھا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' بھابھی نے مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''بالکل پرفیکٹ۔'' وہ بشاشت سے مسکرایا۔

''تو یہ مسلسل چیڑھی کی طرف کیا دیکھ رہے ہو۔'' وہ کرید رہی تھیں۔

''نہیں تو' میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ آج گھر میں خاموشی بہت ہے۔'' اس نے گردن کھجاتے ہوئے کہا۔

''یہ خاموشی تو ہمیشہ سے ہے۔'' وہ ابھی تک مشکوک تھیں۔ ''کیا خیال ہے کیوں نہ اس خاموشی کو توڑ دیا جائے۔'' کسی خیال کے آتے ہی وہ شرارت سے مسکرائیں۔

''کس طرح۔'' وہ حیران ہوا۔

''تمہاری شادی کر کے۔''

''کیا!'' میری شادی لیکن میرا تو ابھی چھ سات سال تک ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''کس کا دماغ خراب ہے۔'' بھائی نے کمرے سے نکلتے ہوئے پوچھا۔

''چنل کا اور کس کا!'' بھابھی نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سن رہے ہیں۔ کیا کہہ رہا ہے۔ کہتا ہے چھ سات سال تک شادی نہیں کروں گا۔'' وہ تو یوں خفا ہو رہی تھیں جیسے بارات تیار کھڑی ہو۔

''وہ جو کہتا ہے کہنے دو' تم اپنے دل کی کرو۔'' بھائی نے ان کی ہمت بندھائی۔

''اپنے دل کی فکر ہے سب کو' میرے دل کی کوئی فکر نہیں۔'' وہ منہ پھلا کر بولا۔

''تمہارے دل کی فکر ہی تو کر رہے ہیں۔'' بھابھی نے مسکراتے ہوئے شوہر کی طرف دیکھا۔

''میرے دل کی فکر۔'' وہ گڑبڑا گیا تھا۔

''ہاں تمہیں جو یہ ہر وقت گھر کی خاموشی ستانے لگی ہے تو ہم نے سوچا۔''

''جی نہیں' میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔'' اس نے کھسیاتے ہوئے ان کی بات کاٹی اور کمرے سے گاؤ تکیہ لا کر بھائی کی کمر کے پیچھے رکھتے ہوئے خود بھی ان کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ ''ابھی تو مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔ کچھ بننا ہے۔ سب سے پہلے تو اپنا ایک خوبصورت سا گھر بنانا ہے جسے اماں اپنی مرضی سے سجائیں گی جس کی ایک ایک دیوار میری اماں کی ملکیت ہو گی اور جس کی دیواروں کی سفیدی جھڑنے سے مالک مکان کا خوف نہیں ہو گا اور دوسرے نمبر پر مجھے اپنی ایک ذاتی اکیڈمی بنانی ہے جس کے ماتھے پر ایقان اکیڈمی کا بورڈ ہو گا۔'' وہ اپنے خوابوں کو زبان دے رہا تھا اور بھائی بغور

اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

''گھر اپنی اماں کے لیے بنواؤ گے۔ اکیڈمی میرے نام پر رکھو گے۔ اپنے لیے کیا کرو گے۔''

''میں دنیا کا ہر کام آپ دونوں کے لیے کرنا چاہتا ہوں۔'' کسی جذبے کی لو اس کی آنکھوں میں دمکنے لگی تھی۔

''دیکھ رہے ہیں اسے۔'' بھابھی نے شکایتی انداز میں شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''دیکھ رہا ہوں! کتنا بڑا ہو گیا ہے ناں پگلی' ہماری آنکھوں کے خواب اب اس کی آنکھوں میں سجنے لگے ہیں۔ وہ تعبیر جو ہمیں مل نہیں سکی۔ وہ تعبیر خواہش بن کر اس کی رگوں میں دوڑنے لگی ہے' جب تک اس کی خواہش مجسم تعبیر نہیں بن جاتی' اسے راستے میں مت روکنا۔ آدھے راستے میں رکا ہوا انسان کبھی کامیاب نہیں ہوتا اور میں اسے ایک کامیاب انسان دیکھنا چاہتا ہوں ایک ایسا انسان جو حسرت کے لفظ سے بھی ناآشنا ہو یہ میری زندگی کی واحد خواہش ہے۔'' یہ بات کہتے ہوئے ان کی آنکھیں کسی دیے کی طرح روشن ہو رہی تھیں۔

اس نے ایک بہت خاموش نظر بھائی کے چہرے پر ڈالی اور اپنی خواہشوں کے ڈھیر کے ساتھ کمرے کی طرف بڑھ گیا۔



وہ آج بہت دنوں بعد یونیورسٹی آئی تھی جہاں فیرویل پارٹی کی تیاریاں عروج پر تھیں' جس کا اندازہ اسے ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی ہو گیا تھا۔ پہلے پیریڈ کے بعد سے ہی وہ سب باہر لان میں بیٹھے اسی فنکشن کو ڈسکس کر رہے تھے۔

''مریم ایک فرمانبردار لڑکی ہے۔'' اجمل نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

''وہ کیسے۔'' آمنہ نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''کیونکہ اس دن وجدان نے کہا تھا کہ تمہیں اب کافی دنوں تک یونیورسٹی آنے کی ضرورت نہیں' آپ لوگ اسی بات سے اس لڑکی کی انتہا درجے کی فرمانبرداری کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔'' اس نے کولڈ ڈرنکس کے گلاس سب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا' مریم اس کی بات پر بری طرح جھینپ گئی تھی۔ جبکہ وجدان کے چہرے پر ایک جاندار مسکراہٹ کھل گئی تھی۔

''جی نہیں' ایسی بات نہیں تھی۔'' وہ اپنی جھینپ مٹاتے ہوئے بولی۔

''جی نہیں ایسی ہی بات تھی۔'' وہ اپنے اندازے پر قائم تھا۔ وجدان نے بہت خاموشی سے ٹرے میں سے گلاس اٹھایا تھا اور اس میں سے برف کے کیوبز نکال کر گلاس مریم کی طرف بڑھا دیا تھا۔

اس کے اس قدر خیال اور احتیاط پر مریم نے تشکر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گلاس تھام لیا۔

''فنکشن کب ہو رہا ہے۔ میں بھی اس میں حصہ لینا چاہتی ہوں۔ تم لوگوں کی کیا پلاننگ ہے۔'' مریم نے کہا۔

''بھئی' میرا تو ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں تو بس سج بن کر آؤں گی اور ہال کی فرنٹ سیٹ پر جا کر بیٹھ جاؤں گی۔ دو سال تک بہت کام کیا ہے ہم نے اب مزید ہمت نہیں ہے۔'' آمنہ نے صاف ہری جھنڈی دکھا دی۔

''میں بھی مریم سے اتفاق کرتا ہوں!'' اجمل نے بھی آمنہ کی تائید کی۔

''یہ دو سالوں میں پہلا موقع ہے کہ تم دونوں کسی ایک بات پر متفق ہوئے ہو۔'' وجدان کو ان دونوں کے اتفاق پر حیرت ہوئی۔

''ان دو سالوں میں آمنہ نے پہلی عقل کی بات کی ہے۔'' اجمل کی بات پر آمنہ نے ہاتھ میں پکڑی کتاب اس کے سر پر ماری تھی۔

''میں جا رہی ہوں عقل کل۔'' وہ تنتناتی ہوئی اٹھی۔

''سنو!'' وہ شرارت سے اسے پکارتے ہوئے پلٹا۔

''بابر علی کا فون آئے تو اسے میرا اسلام کہنا۔'' اس کے لہجے کی شرارت کو محسوس کرتے ہوئے اس نے پاس پڑے ہوئے پتھر کو زور سے ٹھوکر ماری تھی' یوں جیسے اس کی بات کو جوتے کی نوک پر رکھا تھا۔

''کبھی کبھی بہت زیادتی کر جاتے ہو تم بے چاری کے ساتھ!'' اسے دور جاتا دیکھ کر وجدان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ جواباً وہ بھی مسکرایا مگر اس کے اعتراض پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

''سیمینار ہال جا رہا ہوں۔ چل رہے ہو۔'' اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں تم چلو' میں آ رہا ہوں۔'' اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا اور اس کے چلے جانے کے بعد وہ بہت خاموشی سے کش پر کش لگاتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا پنجابی فلموں کے ولن کی طرح مجھے گھور رہے ہو تم۔'' اس کے ٹوکنے پر اس نے بے ساختہ قہقہہ لگایا اور دوبارہ اسے بغور دیکھنے لگا۔ جس پر اس نے جز بز ہو کر پہلو بدلا۔ جلتے ہوئے سگریٹ کو پیروں تلے مسلتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا! مریم نے بہت حیرانی سے اس کے اس عمل کو دیکھا تھا۔

''ایک بات کہوں مریم!'' اس کا لہجہ بہت گمبھیر تھا۔

''کیا۔'' مریم کی نظریں جھک گئیں۔

''تم مجھے بہت عزیز ہو مریم!'' وہ دل سے اپنی محبت کا اعتراف کر رہا تھا۔ اس کی خوشبو سے مریم کا پور پور مہک اٹھا۔ ''یہ دو سال کتنی جلدی بیت گئے۔ تمہیں یاد ہے وہ دن' دو سال پہلے جب ہم پہلی بار ملے تھے۔ میں وہاں لائبریری کے دروازے کے باہر کھڑا تھا اور تم جنرل آفس کے باہر لگی لمبی لائن میں کھڑی ہر ایک کے فارم نہایت خوش دلی سے جمع کروا رہی تھیں اور میں دلچسپی سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جسے نہ دھوپ کی پرواہ تھی نہ گرمی کی جو بہت خوش دلی سے ہر ایک کا فارم پکڑتی تھی اور دوبارہ سے قطار میں کھڑی ہو جاتی تھی۔'' وہ کوئی پچھلی بات یاد کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''پھر جانتی ہو میں نے کیا کہا تھا۔'' وجدان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

''سب یاد ہے مجھے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''مجھے وہ لڑکی بہت اچھی لگی تھی' جسے خود سے زیادہ دوسروں کے آرام کی فکر تھی۔ پھر میں سوچی سمجھی اسکیم کے تحت لائبریری کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا اور میں نے تمہارے پاس آ کر کہا۔ ''پلیز میرا فارم بھی جمع کروا دیجئے' میرے سر میں بہت درد ہے اور بخار بھی ہو رہا ہے۔'' یہ بات کہتے ہوئے میں نے انتہائی لاچار سی شکل بنائی تھی اور تم نے فارم میرے ہاتھوں سے لیتے ہوئے کہا۔' دیکھنے میں تو بھلے چنگے لگ رہے ہیں' آپ اور پھر واپس جنرل آفس بڑھ گئی تھیں اور جب تم فارم جمع کروانے کے بعد واپس آئی تھیں تو میرے شکریہ ادا کرنے پر تم نے کہا تھا۔ یہ میرا فرض تو نہیں تھا لیکن میں نے ادا کر دیا ہے۔ تمہاری اس بات پر میں نے قہقہہ لگایا تھا جس پر تم مجھے گھورتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھیں۔''

''حیرت ہے تم ایک بات بھی نہیں بھولے۔'' وہ حیرانی سے بولی۔

''تمہارے متعلق اور تم سے وابستہ کوئی بھی بات میں کبھی بھی نہیں بھول سکتا۔'' اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور جو تم مجھے ہی بھول گئے تو!'' کسی خدشے نے سر ابھارا۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''زندگی میں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں' جو ہم کبھی نہیں سوچتے لیکن وہ ہو جاتی ہیں۔'' اس نے جھکے سر کے ساتھ بہت آہستگی سے کہا۔

''کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔'' اس نے اس کی بات پر جیسے دکھ سے پوچھا۔

''مجھے تم پر اعتماد ہے۔'' اس نے بڑی خود اعتمادی سے سر اٹھا کر کہا تو وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆☆☆

ہر جمعرات کو سیمینار ہوتا تھا' جس میں اردو ادب اور ڈرامے پر مکالمہ پڑھا جاتا تھا۔ آج کا ڈرامہ انارکلی تھا۔ ہر دفعہ کی طرح مکالمے کے اختتام پر سر نے سب سے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

کہ انارکلی کس کا المیہ ہے۔

سب کے لیے یہ ایک اچھوتا سوال تھا' مگر اس کا جواب کسی کے پاس بھی اچھوتا نہیں تھا۔ سب کے ذہنوں میں ایک ہی نام تھا مگر سر کا یہ کہنا کہ یہ اکبر کا المیہ ہے سب کو حیران کر گیا۔

''اکبر کا المیہ وہ کس طرح۔ یہ اکبر کا المیہ کیسے ہو سکتا ہے سر! یہ کیسے ممکن ہے۔'' کلاس کے ہونہار اسٹوڈنٹ علی حسن نے اٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

جواب میں سر کے چہرے پر مخصوص مسکراہٹ تھی۔ ''کیونکہ اس سارے واقعے سے اکبر کی ساکھ متاثر ہوئی تھی۔ وہ برصغیر میں اکبر اعظم کے نام سے جانا جاتا تھا' اس کا قابل سپوت ایک کنیز کی وجہ سے نافرمانی پر اتر آیا۔ حکومت بدنام ہوئی۔ بادشاہ کے پائے استقلال میں لغزش محسوس کی گئی کہ لوگوں کے دلوں سے اس کی عزت کم ہونے لگی' عوام میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں' اکبر اعظم کا بیٹا اور نافرمان' شہزادے کی مظلومیت لوگوں کا دل پسیج گیا' اکبر اعظم لوگوں کی نظروں میں جابر حکمران بن کر رہ گیا کسی بھی حکمران کے لیے سب سے بڑی شکست ہی یہی ہوتی ہے کہ اس کے عوام اسے جابر کے نام سے پکارنے لگیں لہٰذا یہ المیہ تو اکبر ہی کا ہوا۔''

سر نے تمام لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات ختم کی اور کہا۔

''اگر کسی کو میری بات سے اختلاف ہے تو وہ دلائل دے۔'' ساری کلاس میں ہلچل سی مچ گئی۔

''سر! مجھے آپ کی بات سے اختلاف ہے۔'' سب سے پہلی لائن میں بیٹھے وجدان نے اپنے سیٹ سے اٹھتے ہوئے بہت اعتماد سے کہا تھا۔

''امتیاز علی تاج کا کردار' انارکلی' اگر المیہ ہے تو بس' اپنے پیاروں کے لیے۔ یہ المیہ ہے تو اس کی ماں کا۔ یہ المیہ ہے تو اس کی بہن کا جو اپنی عزیز از جان ہستی کو گنوا بیٹھیں' یہ المیہ ہے تو خود انارکلی کا کہ جسے محبت جیسے جرم کی پاداش میں زندہ دیوار میں چنوا دیا گیا۔ اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ بادشاہ کے محل کی ایک غریب کنیز تھی۔ جو اپنی اوقات بھول کر شہزادے سے محبت کرنے کے جرم کی مرتکب ہوئی' جس کی خوب صورتی' جس کی جوانی بھی اس کے کسی کام نہیں آئی۔ اس نے محبت بھی کھوئی اور زندگی بھی۔'' وجدان کی بحث کے جواب میں سر کے چہرے پر وہی مخصوص مسکراہٹ تھی۔

''برخوردار مصنف نے چونکہ اس کردار کو مظلوم انداز میں پیش کیا ہے اس لیے یقیناً قاری کی ہمدردیاں اس کے

ساتھ ہوں گی!'' سر نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''سر! ہم تو انارکلی کو امتیاز علی تاج کی وجہ سے ہی جانتے ہیں اب یہ کردار سچا ہے یا جھوٹا یہ خارج از بحث ہے بات اس دکھ کی ہے' اس میں کس کے لیے کتنی شدت ہے' جس کی شدت زیادہ ہوگی المیہ بھی اسی کا بنا۔'' وہ بدستور اپنی بات پر قائم تھا۔

''چھوڑو یار! تم نے کیا ایک لڑکی کی وکالت شروع کردی ہے خواہ مخواہ باپ بیٹے میں پھوٹ ڈلوادی اس 'زن' نے ہر جگہ مسئلہ ہی پیدا کیا ہے۔ کم از کم میں تو سر کی بات سے متفق ہوں۔'' آخری لائنوں میں بیٹھے ہوئے نجم ملک نے اپنی سیٹ سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ پسلی سے نکلنے والی ایک فتنہ ہے اور کچھ نہیں۔'' پیچھے سے کسی اور کی آواز آئی تھی۔

''اگر پسلی سے نکلنے والی فتنہ ہے تو خود سوچیے پسلی والا کیا چیز ہوگا۔'' نتاشا نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے اپنے مخصوص پر اعتماد انداز میں چنگاری چھوڑی تھی۔ کلاس میں موجود تمام لڑکیوں نے زوردار تالیاں بجائی تھیں' جبکہ مرد حضرات خاصے جز بز ہوئے تھے۔ کلاس کا وقت ختم ہوچکا تھا۔ سر نے اپنی چیزیں سمیٹیں اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے کہ اس مسئلے پر بحث کل ہوگی' نتاشا ابھی تک لڑکیوں سے داد وصول کررہی تھی' آمنہ نے تو باقاعدہ اسے مبارک باد دے دی۔

''کیسا رہا آج کا مکالمہ!'' وجدان نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''اچھا رہا لیکن سر متفق نہیں ہوئے۔'' اس نے فائل میں رکھے پیپرز نکال کر بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''ہوں!'' اس نے پرسوچ انداز میں ہوں کہا تھا۔ ''اچھا اگر مجھ سے کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہے تو کہو پھر مجھے اپنے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔'' اس کی آفر پر وہ ایک دم الرٹ ہوگئی تھی۔

''مجھ سے یہ تاریخ ادب کے نوٹس نہیں بن رہے۔ کچھ ہیلپ کردو پلیز پھر جہاں جی میں آئے جانا۔'' اس کی بات پر وہ بے ساختہ مسکرایا۔

''یعنی تمہارا کام کردوں پھر بھلے سے بھاڑ میں جاؤں۔''

اس کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ ''بھئی تمہاری مرضی ہے میں تمہیں وہاں جانے سے روک تو نہیں سکتی۔'' اس کی بات کی جواب میں وجدان نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی تھی۔

☆☆☆

ایگزام شروع ہو گئے تھے' پہلے پیپر والے دن وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی' ابھی پیپر شروع ہونے میں تھوڑا وقت تھا۔ وہ باہر برآمدے میں ٹہل ٹہل کر رٹے لگا رہی تھی۔

''آج منہ دھو کر نہیں آئی ہو کیا۔ تمہارا رنگ تو یوں فق ہو رہا ہے جیسے خدانخواستہ قیامت آنے والی ہو۔'' وہ کب سے اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہا تھا۔

''قیامت سے کم بھی نہیں۔'' اس نے مستقل ٹہلتے ہوئے کہا تھا۔

''پہلے پڑھ لیا ہوتا تو اب ایگزام قیامت کی طرح نہ لگتے۔'' اس کی بات پر مریم نے منہ پھلا لیا۔

''یہ وقت طعنہ دینے کا نہیں ہے۔''

''مدد کرنے کا بھی نہیں ہے۔'' وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

''سنو اگر میں پیپر میں کچھ بھی نہ کر پائی تو۔'' دل کا خدشہ زبان پر آ گیا۔

''تو کوئی بات نہیں۔ اگلے سال پھر دے لینا۔'' وہ اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

''تمہیں تو دل رکھنا بھی نہیں آتا۔'' وہ چڑ گئی۔

''جھوٹ موٹ کی تسلی دینے سے فائدہ۔ ویسے تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو' ایگزامز کو ہوا بنا لیا ہے تم نے..... امتحان زندگی موت کا مسئلہ نہیں ہوتے۔ ٹیک اٹ ایزی یار! مجھے لگتا ہے تم نے آج ناشتہ بھی نہیں کیا۔'' وہ بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''ہاں! میں واقعی ناشتہ نہیں کر کے آئی۔ دل نہیں چاہ رہا تھا۔ گھبراہٹ ہو رہی تھی۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا تھا۔

''چہ..... چہ..... تم اتنی نکمی تو نہیں ہو پھر گھبراہٹ کس بات کی ہے۔ ان دو سالوں میں تمہارا تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا رہا ہے۔ خود کو اس قدر کمزور مت سمجھو۔ تم کمزور نہیں ہو' بہت بہادر ہو۔'' وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

''میں بہادر ہوں' یہ کس نے کہا!'' اسے حقیقتاً اچنبھا ہوا تھا۔

''میں کہہ رہا ہوں۔ کیا اتنا کافی نہیں۔''

''کم از کم دو بندوں کی گواہی ہونی چاہیے۔ کسی ایک کی شہادت پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔'' وہ بغیر سوچے سمجھے بولی تھی۔

''جب دو بندوں کی گواہی کا وقت آئے گا تو وہ بھی دے لیں گے۔'' اس کی شرارت پر اسے اپنے کہے گئے الفاظ کا احساس ہوا تھا۔

''میں کیا کہہ رہی ہوں اور تم کیا کہہ رہے ہو اتنا ڈر لگ رہا ہے مجھے اور تمہیں ذرا بھی خیال نہیں۔'' وہ اپنی جھینپ

ستاتے ہوئے بولی تھی۔

''خیال ہی تو کر رہا ہوں تمہارا۔ ہاں یاد آیا جس کام سے آیا تھا وہ تو میں بھول ہی گیا۔ ایک بات کہنا تھی تم سے۔''

وہ اپنے اصل موضوع کی طرف آیا تھا۔

''کیا۔''

''میں چاہ رہا تھا کہ تم ایگزامز کے بعد میری اکیڈمی میں اپلائی کر دو' کیونکہ جونیئر کلاسز کے مقابلے میں سینئرز کو پڑھانا آسان ہوتا ہے اور اکیڈمی کو نئے اسٹاف کی ضرورت بھی ہے۔ اگلے ماہ کے اینڈ میں انٹرویوز اسٹارٹ ہو رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی انٹرویو دے دو۔''

''ہاں! دیکھوں گی۔'' وہ اماں سے پوچھے بغیر ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔

''ایسا کرو' تم مجھ سے اکیڈمی کا ایڈریس لے لو' شاید ایگزامز کے دوران ہماری ملاقات نہ ہو' تم ایگزامز کے بعد اس ایڈریس پر پہنچ جانا اور خدا کے واسطے گھبرانا نہیں۔ میں تم سے پہلے وہاں موجود ہوں گا۔'' اس نے ایک پیپر پر ایڈریس لکھتے ہوئے کہا۔ وہ خاموش رہی۔

آمنہ تیز تیز قدموں سے اسی طرف آ رہی تھی۔'' تھینک گاڈ! ابھی پیپر شروع نہیں ہوا' اتنی تیز تو گھوڑا بھی نہیں دوڑتا ہو گا جتنی تیزی سے میں یہاں تک پہنچی ہوں۔'' ان دونوں کو ابھی باہر ہی کھڑا دیکھ کر اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ کہا۔

''چلو یک نہ شد دو شد!'' وجدان نے مسکراتے ہوئے کہا تو دونوں نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''پتا ہے کیا' ساری رات میں خواب میں یہی دیکھتی رہی کہ میرے پہنچنے سے پہلے ایگزام شروع ہو چکا ہے اور ایگزامز نے مجھے اندر داخل نہیں ہونے دیا۔'' وہ انتہائی بچکانہ انداز میں اپنی سہیلی کو خواب سنا رہی تھی۔

''تم لوگوں کے انداز سے تو یوں لگ رہا ہے' جیسے میٹرک کے پیپر دے رہی ہو' چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ ہمیں دیکھو' کتنے مطمئن ہیں۔'' اجمل نے وجدان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی وہاں آیا تھا۔

''مریم! وہ کل کون سی آیت بتائی تھی تم نے جو پیپر پر پڑھ کر پھونکنی تھی۔'' اس نے اجمل کی طرف سے پیٹھ موڑتے ہوئے کہا۔ اس بار تو ان دونوں کا قہقہہ زوردار تھا۔

☆☆☆

''تم جانتی ہو بھابھی بھی بالکل تمہارے جیسی ہیں پل میں ہنستی ہیں۔ پل میں روتی ہیں۔'' وہ اس کی بات کے جواب میں خاموش رہی۔

''جانتی ہو وہ ایسا کیوں کرتی ہیں۔''

''کیوں۔'' اس کی سوالیہ نظریں اٹھیں۔

''کیونکہ ان کے اندر بھی ایک ایسی ہی اذیت ہے' ایک ایسی ہی محرومی ہے' جو انہیں سانپ کی طرح کاٹتی ہے۔'' اس کے سپاٹ چہرے پر مریم کی نگاہ نہیں ٹھہر سکی۔ اس نے بہت آہستگی سے پلکیں جھکا لیں۔

''اسٹاپ اتنی دور بھی نہیں' لیکن چلتے ہوئے تھکن سی ہونے لگتی ہے۔'' اس نے بات بدلتے ہوئے بہت آہستگی سے کہا۔

''تھکنا ہی تو نہیں ہے۔'' اس کی بات پر اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔

''اوکے' میں چلتا ہوں' آج اجمل کی طرف جانا تھا مجھے۔'' اسٹاپ پر پہنچتے ہی اس نے کہا۔

''اوکے!'' وہ اسے بہت دور تک جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

☆☆☆

رات کے آٹھ بج رہے تھے جب وہ گھر پہنچا تھا۔ حسب عادت آتے ہی اس نے پہلے بھائی کے کمرے میں جھانکا۔ وہ جائے نماز بچھائے بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے اسے قدرے اطمینان ہوا۔ بھابھی کو کھانا گرم کرنے کا کہتے ہوئے وہ نہانے گھس گیا اور جب تک وہ باہر نکلا' بھابھی کھانا نکالے بیٹھی تھیں۔

''آپ نے کھا لیا۔'' اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہوں۔''

''کیسی طبیعت ہے بھائی کی۔'' اس نے پانی پیتے ہوئے پوچھا۔

اس کے سوال پر بھابھی کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں۔ ''آج صبح سے ان کی طبیعت خراب ہے۔ کھانسی کی شدت بڑھتی جا رہی ہے' دوا کھانے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے کہا بھی کہ پتل کی اکیڈمی میں فون کر دیتی ہوں مگر منع کر دیا۔ کہنے لگے۔ اسے پریشان مت کرو پھر میں نے پڑوس سے ڈاکٹر کو فون کیا تھا۔ انہیں ساری کیفیت بتائی۔ رات نو بجے آنے کے لیے کہا ہے ڈاکٹر نے۔'' بھابھی نے اسے تفصیل سے بتاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''ساڑھے آٹھ تو ہو گئے ہیں' ابھی نکلیں گے' تبھی وقت پر پہنچ پائیں گے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ بھائی سے کہیے میں ٹیکسی لے کر آتا ہوں۔''اس نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

کلینک سے گھر پہنچنے کے بعد اس نے رپورٹس اور دوائیاں بھابھی کو پکڑا دی تھیں۔ آج ہی اسے اکیڈمی سے تنخواہ ملی تھی۔ ڈھائی ہزار روپے ڈاکٹر کی فیس اور دوائیوں پر خرچ ہوئے تھے۔ اب اس کی جیب میں پانچ سو روپے تھے۔ وہ کمرے سے باہر نکلا تو بھابھی صحن کی لائٹ آف کر رہی تھیں۔

''بھابھی یہ!''اس نے جیب سے پانچ سو روپے نکالتے ہوئے ان کی طرف بڑھائے۔

''یہ بھی مجھے دے دو گے تو پھر اپنے پاس کیا رکھو گے۔''انہوں نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کو گھر چلانا ہوتا ہے' لیکن مجھ پر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔''اس نے بات کو ہلکا پھلکا رخ دیا تھا۔''مجھے جاب مل جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ڈاکٹر نے تم سے کیا کہا تھا۔''انہوں نے اس کے چہرے پر کچھ کھوجتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں' کہہ رہے تھے نئی اور پرانی رپورٹس میں زیادہ فرق نہیں ہے۔''اس نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

''فرق بہتری کی طرف ہے۔''انہوں نے بہت امید سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آں ہاں! بھائی سو گئے کیا۔''اس نے بات کو ٹالنا چاہا تھا۔

اس کے اس طرح بات بدلنے پر ان کی آنکھوں کی جوت بجھنے لگی۔

''تمہارے چہرے پر جھوٹ اچھا نہیں لگتا چنل! مجھ سے کبھی جھوٹ مت بولنا۔''انہوں نے پلٹتے ہوئے کہا اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

''سچ کہوں گا تو آپ کو دکھ ہوگا' جھوٹ بولوں گا تو بدگمانی۔ ایسا کیا کروں کہ آپ خوش رہیں۔''اس نے صحن کی تاریکی میں دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

☆☆☆

رزلٹ کے بعد اس نے اپنے علاقے کے ایک اسکول میں جاب حاصل کر لی' اسکول اور اکیڈمی کی تنخواہ ملا کر وہ چھ ہزار روپے ماہوار کمانے لگی تھی اور اس پر وہ بہت خوش بھی تھی۔ اب ہر مہینے اپنے اندر چھپی ہوئی لاتعداد خواہشوں میں سے کوئی ایک خواہش وہ پوری کر لیا کرتی تھی۔

زندگی معمول کے مطابق شروع ہوئی تو جیسے سب کچھ بدلنے لگا تھا۔ جس دن سے وہ نوکری کرنے لگی تھی اماں کو یکایک وہ بھی آپا جیسی دکھنے لگی تھی۔ وہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھتیں تو اپنا آپ مزید بوڑھا لگنے لگتا۔ اب بھی وہ برآمدے

میں بیٹھی اسے صحن میں کپڑے دھوتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

کتنی بڑی ہوگئی۔ ابھی اتنی سی تھی۔ پورے صحن میں دوڑیں لگاتی پھرتی تھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگا کرتی تھی میں کہیں گر نہ جائے چوٹ نہ لگ جائے۔ اب اتنی ذمہ دار ہوگئی۔ مجھے پتا بھی نہیں چل سکا اور اتنا وقت گزر گیا۔ ان کی نظریں صحن سے ہٹ کر کچن کی طرف بھٹک گئی تھیں جہاں آپا مگن انداز میں توا چولہے پر چڑھائے روٹی بیل رہی تھیں کتنا ساتھ دیا ہے اس نے میرا۔ میری ہر پریشانی کو بنا کہے جان لیتی ہے۔ جانے کب سے اس گھر کی ڈور سنبھال رکھی ہے اس نے۔ کیا کیا ہے میں نے ان کے لیے۔'' وہ سر جھکائے اپنا احتساب کررہی تھیں۔

''کیا بات ہے اماں۔ آپ اتنا خاموش کیوں بیٹھی ہیں۔'' اس نے کپڑے دھونے کے بعد اپنے دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

''تم سے کتنی مرتبہ کہا ہے کپڑے مت دھویا کرو' سمجھتی کیوں نہیں ہو تم۔'' انہوں نے اپنی سوچوں کا رخ بدلتے ہوئے کہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوتا اماں! آپ یونہی ہر بات میں ڈرتی رہتی ہیں۔'' وہ ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے بولی تھی۔

''اماں! میرے اسکول میں ایک ٹیچر ہیں۔ خاصی بڑی عمر کی ہیں۔ بہت سوں کی شادیاں کروا چکی ہیں' ٹیچنگ کے ساتھ ساتھ یہ بھی پروفیشن ہے ان کا۔ ہم ان سے آپا کے بارے میں بات کرسکتے ہیں۔'' اس نے بہت سوچتے ہوئے کہا تھا اماں اس کی بات پر بے ساختہ مسکرادیں۔

''میں نے اپنی فیکٹری میں ایک عورت سے بات کررکھی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ انشاء اللہ ایک دو دن میں کوئی اچھا سا رشتہ بتائے گی۔ اب دیکھو آگے اللہ مالک ہے۔ نزہت کی کردوں تو پھر تمہاری باری بھی آئے۔'' اماں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں' میری کوئی باری واری نہیں ہے۔'' اس نے ان کی گود میں منہ چھپاتے ہوئے کہا۔

''لو! تمہاری باری کیوں نہیں ہے۔'' اماں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اگر میں بھی چلی جاؤں گی تو پھر آپ کے پاس کون رہے گا۔ بتائیں۔'' اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''تم کہاں جارہی ہو۔'' آپا نے کچن سے نکلتے ہوئے جس انداز سے پوچھا۔ اسے سن کر اس کی اور اماں کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔

☆☆☆

آمنہ کی منگنی تھی۔ مریم اور وجدان دونوں انوائیٹ تھے۔ فنکشن ہوٹل میں تھا اور آمنہ ابھی تک پارلر سے تیار ہو کر نہیں آئی تھی۔ کوئی فرینڈ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ خاصی حد تک بوریت محسوس کر رہی تھی جب آمنہ کی کزن اس کا پیغام لے کر آئی۔

''آمنہ ڈریسنگ روم میں آپ کا انتظار کر رہی ہے آیئے۔'' اس نے کہا تو وہ شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑی تھی' ڈریسنگ روم میں پہنچتے ہی اس کی پہلی نگاہ سامنے صوفے پر بیٹھے اجمل پر پڑی۔

''تم!'' اسے اجمل کو دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی۔

''پورے ایک برس کے بعد ملے ہیں ہم لوگ۔ بہت برے دوست ثابت ہوئے۔ تم ایک بار بھی ملنے نہیں آئے۔'' جواباً وہ بہت خوش دلی سے مسکرایا۔

''کہاں ملنے آتا تمہارے گھر۔ تمہاری اماں کان سے پکڑ کر نکالتیں مجھے۔'' اس نے اپنا کان پکڑ کر کہا۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے اعتراف کیا تھا ''میرے خیال میں یہ حرکت اخلاق کے خلاف ہے۔ اچھے مہمان کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اپنے میزبان سے ملے۔'' آمنہ کی آواز پر اس نے یک لخت پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا اور سجی سنوری دلہن بنی آمنہ کو دیکھ کر وہ مبہوت رہ گئی۔

''کتنی اچھی لگ رہی ہو تم۔'' اس نے اس سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

''ہیں واقعی! یہ اجمل تو سارا راستہ مجھے باتیں سناتا ہوا آیا ہے۔ اتنے برے برے نقشے کھینچ رہا تھا' میری شکل کے کہ مجھے لگ رہا تھا مجھ سے بدصورت اس دنیا میں نہیں ہوگا۔'' مریم حیران رہ گئی۔

''کیا پارلر سے اجمل تمہیں لے کر آیا ہے۔'' وہ تو اسے کمرے میں دیکھ کر حیران ہو رہی تھی ان دونوں کے سابقہ رویے کی وجہ سے۔

''نہ صرف واپس لے کر آیا ہوں بلکہ اپنے ساتھ پارلر لے کر بھی گیا تھا۔'' اس نے مزید اطلاع پہنچائی۔

''یہ صلح صفائی کب ہوئی۔ حیرت ہے مجھے خبر ہی نہیں۔'' اس نے آمنہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

''بس میں نے سوچا' لڑکی پیا دیس جا رہی ہے۔ میکے کی اچھی یادیں لے کر جائے۔'' وہ مسکرایا۔

''بڑا کمینہ ہے' میں نے انویٹیشن دینے کے لیے فون کیا تو کہنے لگا! بابر علی مان گیا کیا۔'' اس نے جس انداز میں شکایت لگائی اس پر مریم کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

''یار! تم نے تھوڑا سا انتظار تو کیا ہوتا ہو سکتا ہے۔ قسمت میں باریابی لکھی ہوتی۔'' اس کی بات پر آمنہ نے گھور کر

اسے دیکھا۔ "یوٹو بروٹس۔"

"وجدان نہیں آیا۔" پھر اچانک یاد آنے پر اس نے پوچھا۔

"اسے کچھ کام تھا' معذرت کرنے کو کہا تھا شاید تمہیں خود فون کرے۔" اس کا لہجہ اپنے آپ دھیما ہو گیا۔

"ہاں اس کے بھائی بیمار ہیں۔ آج چیک اپ کے لیے لے جانا تھا کل بتا رہا تھا وہ۔ مجھے بھی وہیں جانا ہے او کے بیسٹ آف لک آمنہ۔" اجمل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم ہاسپٹل جا رہے ہو۔" مریم نے پوچھا۔

"ہوں! تم بھی جانا چاہتی ہو۔" اس کے سوال پر اس نے بہت آہستگی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"او کے' مجھے دیر ہو رہی ہے۔ میں چلتا ہوں۔" وہ دنوں کو خدا حافظ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"مریم!" آمنہ کی آواز پر وہ پلٹی۔

"ہوں۔"

"وجدان کا کیا ارادہ ہے اب۔" اس نے بہت سنجیدگی سے پوچھا۔

"کس بارے میں!" وہ حقیقتاً حیران ہوئی۔

"تمہارے بارے میں۔"

"یہ تو میں نہیں جانتی۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"کیوں تم نے پوچھا نہیں ہے اس سے۔" وہ حیرانی سے بولی۔

"میں کیسے اس سے بات کر سکتی ہوں' جبکہ اس کے بھائی بیمار ہیں حالات ایسے نہیں ہیں کہ میں اس سے اس موضوع پر بات کر سکوں۔"

"اگر حالات ہمیشہ ہی ایسے رہے تو کیا تم کبھی بھی اس سے یہ بات نہیں کرو گی۔" اس کی تلخ باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا جب وہ تم سے اتنی محبت کرتا ہے تو وہ تم سے شادی کیوں نہیں کر لیتا۔ تم اس سے کہہ دو کہ تمہیں کچھ نہیں چاہیے سوائے اس کے۔"

"وہ اپنے حالات سے پریشان ہے اور میں اس سے شادی کی بات لے کر بیٹھ جاؤں۔ میں زندگی کے کسی بھی موڑ پر اس سے یہ بات نہیں کروں گی۔ جب وہ محسوس کرے گا کہ اب وہ سیٹل ہے تو وہ مجھ سے خود ہی بات کرے گا۔"

اس نے صاف لفظوں میں کہا۔

''میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں مریم! کیونکہ تم میری واحد ایک اچھی اور پیاری دوست ہو۔ میں تمہیں زندگی کے کسی موڑ پر بھی اداس نہیں دیکھ سکتی۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی۔

''میں خوش ہوں آمنہ! اور یہ تمہاری آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں' اتنا مہنگا میک اپ کروانے کے بعد کوئی بے وقوف لڑکی ہی روتی ہوگی۔'' اس نے اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا' جواباً وہ بس مسکرائی تھی۔

☆☆☆

بی اے کی الوداعی پارٹی تھی۔ ریفرشمنٹ کے بعد وہ اسے ہر طرف ڈھونڈتے ہوئے جونیئر سیکشن کی طرف آئی تھی' اور اسے وہیں بیٹھا دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔

''تم یہاں بیٹھے ہو اور میں تمہیں ہر جگہ ڈھونڈ آئی۔'' وہ اس کے سامنے چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ جواباً اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

''میں تمہارے لیے ایک گفٹ لائی ہوں۔'' اس نے اپنے بیگ کی زپ کھول کر اس میں سے ایک چھوٹی سی چیز نکالی تھی۔ وجدان نے بنا کچھ کہے اپنی ہتھیلی پھیلائی تھی اور سیاہ رنگ کے چھوٹے سے لائٹر کو دیکھ کر وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

مجھے معلوم ہے انجام روداد محبت کا
مگر کچھ اور تھوڑی دیر سعی رائیگاں کر لوں

اس نے تلخی سے کہا تھا' اور وہ سامنے بیٹھی ہوئی اس کے شکریے پر وہل کر رہ گئی۔

''جب تم ایسی باتیں کرتے ہو میرا جی چاہتا ہے۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رو دوں۔'' اس کی کانپتی ہوئی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

''تم مڈل کلاس لڑکیاں! غربت کی طرح آنسو بھی تم کو وراثت میں ملتے ہیں۔'' وہ پھر تلخ ہوا۔

''ہر بات میں دولت' ہر بات میں طبقہ' تمہیں کیا ہو گیا ہے۔'' اس نے روہانسے انداز میں کہا۔

''کیا ہر قدم پر ہمیں دولت کی ضرورت نہیں پڑتی' کیا ہر مقام پر ہمیں طبقے کا سامنا نہیں ہوتا۔'' اس کی بات کا وہ کوئی جواب نہیں دے پائی۔

''کیا تم ابھی تک اپنی جاب سے مطمئن نہیں ہو' ایک برس بہت ہوتا ہے کسی جگہ پر ایڈجسٹ ہونے میں۔''

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''جو میں نے چاہا تھا وہ نہیں ہوا اور جو میں نے نہیں چاہا تھا۔ وہ ہو رہا ہے اور مسلسل ہو رہا ہے۔ ایک اسکول کی نوکری سے کتنا مطمئن ہو سکتا ہوں میں۔ چند ہزار کما کر کیا بنا سکتا ہوں میں۔'' اس کی آواز اونچی ہونے لگی۔

''جب یہ چند ہزار بھی نہیں تھے' تب بھی تو جی رہے تھے تم' تم لاکھوں نہیں کما رہے تو اس کے بغیر بھی بہت کچھ حاصل ہے۔ ایک ایم اے اردو کو جتنی اچھی جاب مل سکتی ہے۔ وہ تمہیں مل چکی ہے۔'' اس کی بات پر وہ بہت خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ''اب تم مجھے قناعت کی تلقین کرو گی۔

''صبر پڑ جائے تو پھر صبر کرنا پڑتا ہے۔ ضبط آزمایا جائے تو ضبط کرنا پڑتا ہے' یہ بات میرے سمجھانے کی نہیں ہے۔'' اس نے بہت سپاٹ انداز میں کہا۔

''تم کیا سمجھتی ہو' مجھ میں صبر کا حوصلہ نہیں ہے۔ غلط سمجھتی ہو تم میری جھونپڑی میں اگر آگ لگے گی تو میں محلوں کو پتھر نہیں ماروں گا۔'' اس نے اسی کے لائے ہوئے لائٹر سے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا تھا۔

''ہمیں ہر طرح کے حالات سے سمجھوتا کر لینا چاہیے وجدان!'' اس نے صلح جو انداز میں کہا تھا! جس پر وہ کچھ لمحے اسے خاموشی سے دیکھتا رہا تھا۔

ہم نے ہر حال میں جینے کی قسم کھائی ہے
اب یہی حال مقدر ہو تو شکوہ کیوں ہو
ہم سلیقے سے نباہ دیں گے جو دن باقی ہیں
چاہ رسوا نہ ہوئی' آہ بھی رسوا کیوں ہو

اس نے بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''چاہ کو تو رسوا کر رہے ہو تم کوئی آس' امید' تسلی کچھ بھی نہیں۔ آمنہ کی منگنی میں تم نہیں گئے۔ وہاں کتنے بہانے بنانے پڑے مجھے ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ تم تین چار دن سے مجھ سے ملے ہی نہیں تھے۔ اجمل نے میرے بہانے کا بھرم رکھا تھا۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

''آنکھ میں اگر آنسو ہوں تو انہیں بہا دیا کرو۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ اس نے کچھ بھی کہے بغیر آنکھ میں آئے آنسو کو انگلی کی پوروں سے صاف کیا۔

''میرے سامنے بیٹھ کر سگریٹ مت پیا کرو۔'' باوجود ضبط کے اس کی آواز ابھی تک بھاری تھی۔

''حیرت ہے منع بھی کرتی ہو اور......'' وہ اس کے دیے ہوئے لائٹر کو دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

''ظاہر ہے جب ایک بندے پر کسی کی بات کا اثر نہ ہوتا ہو تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔'' اس نے جواباً کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے۔ میں کس حد تک دوسروں کی باتوں سے اثر لے سکتا ہوں۔'' اس نے کش لگاتے ہوئے پوچھا۔

''ایک فیصد بھی نہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''اتنی مایوسی بھی اچھی نہیں۔'' وہ مسکرایا۔

''تم نے سوال پوچھا تھا' میں نے جواب دے دیا'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''ایک سوال اور پوچھوں۔'' اس نے جلتے ہوئے سگریٹ کو پاؤں تلے مسلتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ جو تم چاہتی ہو۔ وہ ہو جائے گا۔'' اس کے سوال پر وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا تم جانتے ہو کہ میری چاہت کیا ہے۔'' اس کے لہجے میں ہلکا سا شکوہ تھا۔

''شاید۔''

''نہیں اگر تم جانتے تو'' اس نے ہاتھ اٹھا کر' اسے بولنے سے روکا۔ ''سوال کرنے کا حوصلہ ہے تو جواب سننے کا حوصلہ بھی رکھو۔'' وہ تلخ ہونے لگی۔

''ضروری نہیں ہوتا ہم جسے چاہیں اسے پا بھی لیں۔ کبھی کبھی ہم جو چاہتے ہیں۔ ہمیں نہیں بھی ملتا۔'' اس کی بات پر وہ ایک بار پھر حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا ہے وجدان! کیوں کر رہے ہو ایسی باتیں' وہ چیز جو تمہیں نہیں مل پا رہی اس میں میرا قصور نہیں ہے۔'' اس کی بات پر وہ ہلکے سے مسکرایا۔

''تمہیں مجھ سے محبت ہے۔'' بہت عجیب سوال تھا وہ جی بھر کے حیران ہوئی۔

''تم کیا سمجھتے ہو' میں جو پچھلے تین سال سے تمہارے ساتھ ساتھ ہوں تو کس لیے۔'' اس نے سوال پوچھا تھا تو جواب دینا بھی لازمی تھا۔

''اس میں تمہاری اپنی غرض بھی ہو سکتی ہے۔ تم جو یہاں جاب کرتی ہو تو اس میں تمہارا اپنا فائدہ ہے۔''

''پورے شہر میں یہ واحد اکیڈمی نہیں ہے وجدان۔''

''ہمارے ہر عمل کے پیچھے ہماری غرض چھپی ہوتی ہے وہ غرض محبت بھی ہو سکتی ہے۔'' وہ اس کی بات پر خاموش رہی۔

''اب تم اپنی بات پر جتنا بھی خوب صورت ریپر لپیٹ دو۔ اس بات کا مداوا نہیں ہو سکتا' جو تم کہہ چکے ہو۔'' اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔

''مداوا کسی دکھ کا نہیں ہوتا۔''

''لیکن دکھ دینے والے کو اس کا احساس تو ہونا چاہیے۔'' وہ اس کی بات پر تیزی سے بولی تھی۔

''کسی کو کسی کے دکھ کا احساس نہیں ہوتا یہ بات آج تم جان لو۔'' اس نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کہا تھا۔

''میں شاید کبھی بھی تمہیں سمجھ نہیں سکوں گی وجدان!'' اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا تھا۔

تو میری جان مجھے حیرت' حسرت سے نہ دیکھ
ہم میں سے کوئی بھی جہانگیر' جہاں نور نہیں
تو مجھے چھوڑ کے ٹھکرا کے بھی جا سکتی ہے
تیرے ہاتھوں میں' میرے ہاتھ ہیں زنجیر نہیں

اس کے کہے لفظوں پر وہ کئی لمحے تک خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی اور پھر اسی خاموشی سے واپس پلٹ گئی۔

☆☆☆

اماں کی جاننے والی کے توسط سے جس طرح اچانک رشتہ طے ہوا تھا' اسی تیزی سے بیاہ بھی ہو گیا تھا سب کچھ اتنا آنا فانا ہوا تھا کہ کسی خواب کا گمان ہوتا تھا' آپا کے شوہر کی اپنی اسٹیشنری کی دوکان تھی اور گھر بھی اپنا تھا۔ اماں بہت خوش تھیں۔ جس ذاتی گھر کے خواب وہ دیکھتی رہی تھیں۔ وہ خواب ان کی بیٹی کی تعبیر بن گیا تھا۔ وہ خوش کیوں نہ ہوتیں! آپا کے جانے کے بعد گھر میں ایک سناٹا سا رہنے لگا تھا۔ شام میں وہ گھر آتی تو اماں کو چپ چاپ صحن میں اکیلے بیٹھا دیکھ کر اسے بے ساختہ ان پر پیار آنے لگتا۔

''اماں! آپ یوں خاموش کیوں بیٹھی رہتی ہیں۔''

''تو دیواروں سے باتیں کروں کیا۔'' وہ اس سے خفا نظر آ رہی تھیں۔

''اماں! آپ مجھ سے ناراض ہیں' مگر اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔ اچھا اب تو میں آ گئی ہوں نا اب ہم ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔ ایسا کرتے ہیں کہ کل ہم آپا کے گھر جائیں گے' ٹھیک۔'' اس نے انہیں مناتے ہوئے کہا۔

''ہاں' جب وہ گھر آتی ہے' تب تو تم اس کی کوئی بات مانتی نہیں ہو۔ اس کے گھر جا کر کیا کرو گی۔''

''اماں!'' اس نے شکایت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''ہاں تو کیا غلط کہتی ہے وہ۔'' وہ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے بولیں۔

''آپا کو تو شادی کے بعد یہی ایک موضوع ہاتھ آ گیا ہے' ہم کسی اور ٹاپک پر بات نہیں کر سکتے۔'' اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں!'' انہوں نے قطعی لہجے میں کہا۔

''اماں! ابھی میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ آپ کیوں نہیں سمجھتی ہیں۔''

''یہی تو سمجھنا چاہتی ہوں میں۔'' انہوں نے جس گہرے انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا' اس پر اس کی آنکھیں اپنے آپ جھکتی چلی گئی تھیں۔

''مریم!'' انہوں نے آہستگی سے پکارا۔

''جی!'' دل میں چور تھا کہ آنکھیں اٹھائی نہیں جاتی تھیں۔

''تم نے کالج میں پڑھا' یونیورسٹی میں پڑھتی رہیں۔ پھر نوکری کرنے لگیں' جو تمہارا دل چاہا۔ تم نے کیا' میں نے نہیں روکا۔ تم نوکری کرنے لگیں' تمہاری مجبوری تھی' جب ہم گھر سے باہر نکلتے ہیں تو ہم ایک نئی دنیا دیکھتے ہیں۔ ہمیں بہت سے لوگ ملتے ہیں۔ کسی کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ کسی کا چہرہ اچھا لگتا ہے' صحیح کہہ رہی ہوں نا میں۔'' اماں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جو اس کو سمجھانا چاہ رہی تھیں وہ ایک ماں کھل کر تو پوچھ نہیں سکتی اور جو انہوں نے پوچھا تھا۔ وہ انہیں بتا نہیں سکتی تھی۔

''گھر سے باہر کی دنیا کو ہم گھر کے اندر تو نہیں لا سکتے۔ وہ دنیا ہمیں لاکھ اچھی لگے ہم اتنے با اختیار نہیں۔'' اس کے اندر کوئی چیخا تھا۔

''مجھے باہر کی دنیا اچھی نہیں لگتی۔'' وہ بہت آہستگی سے کہتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ ''وجدان صحیح کہتا ہے غربت ایک ایسا نوکیلا جال ہے جو انسان کو اپنے اندر جکڑ کر لہولہان کر دیتا ہے' یہ غربت ہی تو ہے جس کی وجہ سے اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی ہم دونوں اپنے گھر میں ایک دوسرے کا ذکر تک نہیں کر پائے۔ یہ غربت ہی تو ہے جو دل کی بات کو زبان تک آنے سے روکتی ہے۔ اسے حالات اجازت نہیں دیتے اور مجھے لحاظ۔ جب تک حالات بدل نہیں جاتے۔ میری زبان کوئی لفظ نہیں بولے گی۔ جب وہ اس مقام تک آ جائے گا جو وہ پانا چاہتا ہے تو وہ خود میری طرف

بڑھے گا۔ ابھی وہ ٹینس ہے اور میں اسے کبھی بھی پریشان نہیں کروں گی۔ چاہے جتنا بھی وقت لگے میں اس کا انتظار کروں گی۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے۔'' اس نے اپنے دل میں عہد کیا۔

☆☆☆

آج آٹھواں روز تھا انہیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروائے' بیماری اب اس اسٹیج پر تھی کہ گھر میں وہ دیکھ بھال نہیں ہو سکتی تھی جو یہاں میسر تھی۔ دن کا سارا وقت بھابھی ہاسپٹل میں ان کے پاس رہتی تھیں اور رات کو وہ ان کے پاس رہتا تھا' اس وقت بھی وہ اکیڈمی سے سیدھا وہیں آیا تھا جس وقت وہ کمرے میں پہنچا۔ بھائی سو رہے تھے اور بھابھی ان کے سامنے والے بینچ پر بیٹھی قرآن پاک پڑھ رہی تھیں۔

''کیسی طبیعت ہے۔'' اس نے روزانہ کا سوال دہرایا تھا۔

انہوں نے خاموشی سے اس کے ہاتھوں سے دوائیاں پکڑی تھیں اور بیڈ کے سائڈ ٹیبل پر رکھ دی تھیں۔

''کس وقت سوئے تھے بھائی!'' اس نے بستر پر پڑے ان کے کمزور وجود کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کچھ ہی دیر ہوئی۔'' انہوں نے قرآن پاک کو جزدان میں لپیٹتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں! چائے لاؤں آپ کے لیے۔''

''چائے ہے تھرماس میں۔ تم پیو گے۔'' ان کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''دل نہیں چاہ رہا۔ آپ ابھی بیٹھیں گی یا میں گھر چھوڑ آؤں آپ کو۔''

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور یوں بھی دو افراد کے رہنے کی اجازت نہیں تھی۔

''میں چاہ رہی تھی۔ یہ اٹھ جاتے تو تب میں جاتی' لیکن نیند انجکشن کی وجہ سے بہت گہری ہے۔ جانے کب اٹھیں!'' وہ بہت دھیمے لہجے میں بات کر رہی تھیں۔

''اماں! پریشانی آزمائشوں کا حل نہیں ہوتی۔'' اس بات پر انہوں نے گہرا سانس لیا۔

''جانے اور کتنی آزمائش لکھی ہے۔ بے شک اللہ آزمائشوں سے نکالنے والا ہے۔'' انہوں نے اپنی ہتھیلیوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ نے تو کبھی ہمت نہیں ہاری اماں! آپ تو بہت بہادر ہیں۔ یہ تو وقتی آزمائش ہے پھر سب۔''

''پھر سب۔'' ان کی آنکھوں میں آس کے دیے جلنے لگے۔

''پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' اسے وہ جلتے ہوئے دیے بہت اچھے لگے تھے۔

''ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔اللہ کبھی کسی پر اس کے ظرف سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔'' ان کے لہجے میں سکون اتر آیا۔

''ہمیں اپنے ظرف کا اندازہ نہیں ہوتا دکھ ملتے ہیں تو ظرف بھی بڑھنے لگتا ہے۔'' اس نے سوچا مگر کہا نہیں' بھائی اٹھ گئے تھے۔ بھابھی ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''تم کب آئے۔'' انہوں نے پوچھا۔آواز سے نقاہت جھلک رہی تھی۔

''ابھی آیا ہوں۔'' وہ ان کے قریب بیٹھ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔

''بہت کمزور ہو گئے ہو تم۔اپنا خیال رکھا کرو۔'' ان کی بہت مدھم آواز پر اس کا دل پگھلنے لگا۔

''نہیں تو بھائی! میں تو بالکل ہٹا کٹا ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''تم خیال نہیں رکھتی ہو پنل کا۔'' انہوں نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔وہ بھابھی سے شکایت کرنے لگے تھے۔

''صبح اسکول' شام کو اکیڈمی' رات کو آپ کے پاس۔دن رات کی محنت' چوبیس گھنٹے کی فکر' کمزوری تو ہو گی ہی۔ آپ ٹھیک ہو کر گھر آ جائیں تو ساری فکریں دور ہو جائیں گی۔''

بھابھی کی آواز بھاری ہونے لگی۔

ان کے پکارنے پر اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''جی۔''

''ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں کب چھٹی ملے گی مجھے اب یہاں میرا دم گھٹنے لگا ہے۔'' ان کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''ابھی کچھ دن اور رہنا پڑے گا یہاں' رپورٹس آ جائیں تو میں خود بات کروں گا ڈاکٹر سے۔'' اس نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''مجھے گھر جانا ہے۔مجھے گھر لے چلو۔میں ٹھیک نہیں ہو سکتا۔میں یہ بات جانتا ہوں یہ ہاسپٹل یہ دوائیاں میری زندگی بڑھا نہیں سکتے۔جو میری چند سانسیں بچی ہیں۔وہ مجھے میرے گھر میں گزارنے دو۔'' انہوں نے ہاتھ جوڑے تھے اور وہ تڑپ اٹھا۔

''ایسے کیوں کر رہے ہیں آپ' ایسا مت کریں۔ہم گھر چلے جائیں گے۔گھر ہی جانا ہے ہمیں۔'' وہ ان کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو کھولتے ہوئے بولا دنیا کا کوئی دکھ اتنا نہیں رلاتا جتنا بے بسی ان کی بات پر بھابھی کے آنسو چھلکے جنہیں چھپانے کے لیے وہ رخ موڑ کر کھڑی تھیں۔

☆☆☆

آپا صبح سے آئی ہوئی تھیں اور وہ ان کی آمد کا مقصد جانتی تھی، تبھی ان سے چھپتی پھر رہی تھی جہاں وہ جاتیں وہ غیر محسوس طریقے سے وہاں سے ہٹ جاتی۔ وہ اماں سے باتیں کر رہی تھیں اور وہ فوذات سے کھیلتی رہی، جب وہ سو گیا تو آپا اس کے کمرے میں آئیں۔

''کیا سوچا ہے تم نے۔'' انہوں نے کمرے میں آتے ہی پوچھا۔

''کس بارے میں۔'' وہ یکسر انجان بن گئی۔

''اپنی شادی کے بارے میں۔'' انہوں نے بہت سکون سے جواب دیا۔

''میں اس بارے میں کوئی بات کرنا نہیں چاہتی۔''

''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم بھی اس بارے میں بات نہیں کریں گے۔ تم کسے سزا دے رہی ہو مجھے، اماں کو، خود کو، چار سال ہو گئے ہیں تمہیں نوکری کرتے ہوئے اور چار سال ہو گئے ہیں تمہیں مسلسل شادی سے انکار کرتے ہوئے۔ کیوں۔ تم سمجھتی ہو کہ ہم اتنے بے وقوف ہیں کہ اس کیوں کا مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ تم مسلسل شادی سے انکار کرو اور ہم تمہیں بچہ سمجھ کر ٹالتے رہیں۔''

''غلط سمجھتے ہیں آپ لوگ!'' اس نے تڑخ کر کہا۔

''تو پھر صحیح کیا ہے۔ تم ہمیں بتا دو۔ ہم وہ کہہ لیں گے۔'' انہوں نے اسے کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

''کچھ نہیں ہے اگر کوئی بات ہوتی تو اب تک آپ کے سامنے آ چکی ہوتی۔'' اس نے صفائی سے جھوٹ بولا۔

''ٹھیک ہے، اماں نے تمہارے لیے ایک رشتہ دیکھا ہے۔ لڑکے کی اپنی دکان ہے۔''

''مجھے کسی دکاندار سے شادی نہیں کرنی۔'' اس نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''پھر کس سے شادی کرنا ہے۔''

''کسی سے نہیں مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔'' اس نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''مریم! تم ٹھنڈے دل سے میری بات پر غور کرو ہم تمہارا بھلا چاہتے ہیں، تم اب عمر کے جس دور میں ہو، وہاں رشتوں کی لائن نہیں لگے گی۔ ستائیس سال کی عمر ایک لڑکی کی شادی کے لیے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ تمہیں میری بات تلخ لگے گی مگر یہ بات سچ ہے۔ وہ رشتے جو آج آ رہے ہیں، چند سال گزرنے کے بعد ان میں سے کوئی ایک رشتہ بھی نہیں آئے گا تو پھر تم کیا کرو گی۔ کیا تم ساری عمر یونہی گزار دو گی۔ تم میری بات مانو جو اماں چاہتی ہیں۔ اسے پورا کر دو۔ یہ رشتہ ہر لحاظ سے تمہارے لیے بہتر ہے۔ ہم نے ان سے کچھ نہیں چھپایا اماں نے ان کو یہ بتا دیا ہے کہ تم۔''

''کہ میں.....'' اس نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے ان لوگوں کو سچ بتا دیا۔ بہت نوازش ہے آپ کی' آپ نے مجھ پر احسان کیا۔ بہت احسان ہے ان لوگوں کا بھی مجھ پر جنہوں نے ایک بیمار لڑکی کو قبول کر لیا' لیکن مجھ سے اتنا تو پوچھا ہوتا کہ میں یہ احسان لینا بھی چاہتی تھی یا نہیں۔''

''اب بھی تم کہتی ہو کہ تمہارے اندر کوئی نہیں ابھی بھی تم اس بات سے انکار کرتی ہو کہ کوئی دوسرا وجود نہیں ہے۔ یہ زہر ہم نے تو تمہارے اندر نہیں بھرا مریم! وہ اذیت جو تمہارے لفظوں سے جھلک رہی ہے۔ وہ اذیت تمہیں اس گھر میں کبھی نہیں ملی۔ ہم دونوں نے دوستوں کی طرح اکٹھے وقت گزارا ہے جو بیگانگی آج تمہارے لہجے میں ہے۔ وہ اس سے پہلے نہیں تھی۔ تم جو چاہتی ہو۔ وہ کہو تو ہمیں تمہاری خوشی عزیز ہے کیونکہ ہم یہ سب تمہاری خوشیوں کے لیے ہی کرنا چاہتے ہیں۔'' آپا نے اس کے قریب آتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔

''میری خوشی اس میں ہے کہ آپ مجھ سے اس موضوع پر بات نہ کیا کریں۔'' اس نے پلٹے بغیر کہا تھا اور اسی رخ سے باہر نکل گئی۔



صبح چھ بجے سے وہ آئی سی یو میں تھے۔ حالت اتنی بگڑ گئی تھی کہ مسلسل تین دن سے تیز بخار کی وجہ سے نیم بے ہوشی تھی۔ تلخ حقیقت تو پوری آنکھیں کھولے اس کے سامنے تھی پھر بھی دل کو آس تھی' ایک روشن امید تھی لیکن وہ امید روشن نہیں ہو پائی' ڈاکٹر نے باہر آ کر اس سے کچھ کہا تھا۔ بھابھی کی گھٹی گھٹی سسکیاں ایک دردناک چیخ میں بدل گئی تھیں۔ وہ کچھ بھی سن نہیں پا رہا تھا۔ اس کے کانوں میں صرف ایک آواز تھی۔

''میں جانتا ہوں میری زندگی ختم ہو رہی ہے لیکن میں تمہارے ساتھ ابھی کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔'' یہ آخری بات انہوں نے پرسوں رات اس سے کہی تھی۔ اس کی آنکھیں ابھی تک گلاس وال سے پرے دیکھ رہی تھیں۔



وہ کئی روز سے اکیڈمی نہیں آ رہا تھا۔ وہ روزانہ آتے ہی اس کا انتظار شروع کرتی تو جاتے وقت تک اسے اس کے آنے کی آس رہتی تھی اور آج تو پندرہ روز ہو گئے تھے۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ تب ہی ہاف لیو لینے کے بعد وہ آج سبزہ زار پہنچ گئی تھی۔ اسٹاپ پر اترنے کے بعد تنگ گلیوں سے گزرتے ہوئے اس کا گھر ڈھونڈنے میں اسے دشواری نہیں ہوئی۔ ابھی چند روز پہلے تو وہ وہاں آئی تھی اور اب اس کے گھر کے بوسیدہ سے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر اس نے کئی مرتبہ سوچا۔

''کیا مجھے یہاں آنا چاہیے تھا' کیا میں غلط کر رہی ہوں' لیکن اس میں غلط کیا ہے۔ میں اس سے صرف یہی پوچھنے تو آئی ہوں کہ وہ اتنے روز سے اکیڈمی کیوں نہیں آ رہا۔ میں تھوڑی دیر بیٹھوں گی اور پھر چلی جاؤں گی۔'' اس نے دل میں ہزار جواز سوچتے ہوئے دروازے پر دستک دی تھی۔ ایک بار دو بار تیسری دستک پر دروازہ کھل گیا تھا اور دروازے پر وجدان کی بھابھی کو دیکھ کر اس نے بے اختیار انہیں سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' ان کی آنکھوں میں اپنے لیے اجنبیت دیکھ کر وہ سوچ رہی تھی' کیا کہوں میں کون ہوں اور کیوں آئی ہوں۔

''میں! میرا نام مریم ہے' وجدان کی کولیگ ہوں میں۔'' اپنا تعارف کرواتے ہوئے اس کی زبان پر الفاظ اٹک رہے تھے۔

''وجدان کی کولیگ۔'' اپنے اس غیریت بھرے تعارف پر اس کے اندر آنسوؤں کا غبار بھرنے لگا۔

''آؤ'' بھابھی نے اسے اندر آنے کے لیے کہا۔

ان کے پیچھے چلتے ہوئے صحن کے وسط میں پہنچی جب انہوں نے اسے صحن میں پڑی ایک کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ بہت تھک گئی تھی۔ اس لیے ان کے کہتے ہی وہ اس کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''اکیڈمی یہاں سے بہت دور ہے۔ پیاس تو لگی ہوگی۔'' وہ پانی کا گلاس لے آئی تھیں۔

''شکریہ!'' اس نے بہت ممنونیت سے بڑی سی سیاہ چادر میں لپٹی اس عورت کی طرف دیکھا۔ اس شدید گرمی میں پیاس سے خشک ہوتے حلق میں ٹھنڈا پانی اسے جنت کے مشروب کی طرح لگا' اس نے خالی گلاس ان کی طرف بڑھایا تو وہ ہلکے سے مسکرائی تھیں۔

''پیاس اور خواہش اگر پوری ہو جائے تو اس سے بڑی خوش قسمتی اور کوئی نہیں ہوتی!'' انہوں نے گلاس ایک طرف رکھ کر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی!'' وہ سر جھکائے فقط اتنا کہہ پائی۔

''آپ کے شوہر کی ڈیتھ کا بہت صدمہ ہوا'' وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔ سامنے بیٹھی ہوئی عورت کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔ کئی لمحے بہت خاموشی سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے تھے اور وہ ان کے سامنے بیٹھی تسلی کا ایک لفظ تک کہہ نہیں پائی تھی' کیا کہہ سکتی تھی وہ جبکہ وہ ان کے لیے بالکل غیر تھی' کئی لمحے بہت خاموشی سے سرک گئے تھے' جب اسے اپنے پیچھے دروازہ کھولنے اور پھر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔ وہ قدم وجدان کے

دوسرے شخص کو ادھورا قرار دیتے ہوئے چھوڑ سکتا ہے۔ کیسی مضحکہ خیز بات ہے۔ ایک ادھورا شخص دوسرے ادھورے شخص سے یہ کہے کہ تم میرے قابل نہیں ہو ہے نا مضحکہ خیز بات۔''

اس نے اپنی آنکھ میں آئے آنسوؤں کو چھپانے کی ذرا سی بھی شعوری کوشش نہیں کی تھی۔ شعور کا ساتھ صرف اتنا تھا کہ وہ بہہ رہے تھے اور وہ انہیں پونچھ رہی تھی۔

''ایسی صورت حال میں نفرت کا احساس بڑھ جاتا ہے اور پھر وہی روایتی سا جملہ کہا جاتا ہے کہ مجھے تم سے نفرت ہوگئی ہے یا یہ کہ تم مجھے کیا چھوڑو گے' میں خود تمہیں چھوڑ رہی ہوں' مگر میں ایسا ہرگز نہیں کہوں گی۔ محض اس بنا پر تم سے نفرت کرنے لگوں کہ تم مجھے چھوڑ رہے ہو' میری ذات کی نفی کر رہے ہو۔ یہ تو میری خودغرضی ہوگی اور تمہارے ساتھ میں کبھی بھی خودغرض نہیں رہی ہوں۔ علی وجدان! ہاں مجھے غرض تھی تو صرف تمہاری محبت سے' میں نے اپنی زندگی کی کسی ایک بھی غرض کو تمہاری محبت کے آگے نہیں آنے دیا۔ محبت سے آگے کوئی چیز ہو بھی نہیں سکتی' لیکن یہ بات تم نہیں جان سکو گے' کیونکہ تم نے زندگی میں ہمیشہ ہر چیز کو محبت سے آگے رکھ کر سوچا ہے۔ اب تمہیں جانا ہے۔ تم جاؤ' دنیا کے جس کونے میں بھی جاؤ' وہاں کسی سے رشتہ مت جوڑنا۔ اپنائیت کے احساس کو زائل کر کے جانا کہ رشتوں کا دکھ تم سے دیکھا نہیں جاتا۔ کبھی ضمیر کی خلش میں مبتلا مت ہونا۔ احساس ندامت کو مار کے جانا ورنہ تمہارے لیے مشکل ہو جائے گی اور جب ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو مجھے ضرور بتانا تمہاری خیر خواہ منتظر رہے گی۔''

اس نے اپنی تمام تر ہمت کو مجتمع کرتے ہوئے بیگ سے رومال نکالا تھا' اپنی آنکھیں اور چہرے کو صاف کرنے کے بعد رومال دوبارہ بیگ میں رکھنے کے بعد وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ پھر اس نے ایک نظر اپنی رسٹ واچ پر ڈالی تھی۔ گھڑی کی سوئیوں پر نظر پڑتے ہی اس نے بیگ کندھے پر ڈالا اور پلٹ گئی اور پیچھے بیٹھے ہوئے شخص نے اس کا ہر اٹھتا ہوا ایک ایک قدم گنا تھا' باہر نکلنے سے پہلے اس نے کس ہاتھ سے دروازہ کھولا تھا' یہ بھی ان نظروں نے دیکھا تھا اب وہ نہیں تھی' اس پورے منظر میں وہ اکیلا تھا' اس نے ٹیبل پر پڑے ہوئے پیکٹ میں سے آخری سگریٹ نکال کر سلگایا تھا۔



بعض اوقات ہمیں اپنی کہی ہوئی بات کچھ عرصہ بعد غلط لگنے لگتی ہے اور کبھی کبھی کچھ لمحوں بعد ہی اپنے آپ پر زعم مٹ جاتا ہے' احساس ندامت حاوی ہو جاتا ہے اور احساس زیاں بڑھنے لگتا ہے۔

وہ لڑکی جو میری خودغرضی کے سامنے بھی مجھ سے نفرت نہیں کرتی۔ چھ برسوں کے کسی ایک دن بھی اس نے کبھی اپنی کوئی غرض میرے سامنے نہیں رکھی۔ دولت' رشتے' محبت' ان تینوں میں سے میں کس چیز سے فرار چاہتا ہوں اور کیا

فرار ممکن ہے۔ ہاں یہ سچ ہے میرے دل میں اسے کھو دینے کا خوف تھا۔ میں اس خوف سے بھاگ رہا تھا۔

سڑک پر تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی بائیک کو یک دم بریک لگے۔ اس کے جانے کے بعد وہ مسلسل کئی گھنٹوں سے شہر کی سڑکوں پر بھاگ رہا تھا۔

سچ یہ ہے کہ میں مریم احمد سے محبت کرتا ہوں۔ سچ یہ ہے کہ اگر زندگی میں مریم احمد نہیں ہوگی تو علی وجدان کی زندگی میں کچھ بھی نہیں ہوگا میں اسے منا لوں گا' اور مجھے یقین ہے کہ وہ مان جائے گی اس نے ایک طمانیت بھرا پرسکون سانس لیا تھا' اور پھر بائیک اسٹارٹ کرنے کے بعد اس کا رخ بھابھی کے گھر کی طرف موڑ دیا تھا۔ زندگی میں نئے رشتے بننے جا رہے تھے اور اب بھابھی کو اپنے گھر میں رہنا تھا۔

☆☆☆

وہ ابھی اسکول سے چند لمحے پہلے ہی گھر آئی تھی۔ تب ہی باہر بجتی ہوئی بیل کی آواز پر وہ دروازے تک گئی اور باہر کھڑے کوریئر سروس کے آدمی سے ایک خوب صورت سرخ گلابوں کا بوکے اور کارڈ وصول کرنے کے بعد وہ اندر آئی کارڈ پڑھے بغیر بھی وہ جان چکی تھی کہ یہ پھول کس نے بھیجے ہیں' گزرے چھ برسوں میں وہ یہ بات اچھی طرح جان چکی تھی کہ علی وجدان کبھی بھی اس سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتا۔ وہ کارڈ کھول کر پڑھنے لگی۔

''جب ناراضی ہوتی ہے خواہ لمحے بھر کے لیے ہی کیوں نہ ہو' اجنبیت پیدا کر دیتی ہے۔ ہم بات کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں یہ ہچکچاہٹ میرے آڑے بھی آ رہی ہے مگر' میں پھر بھی کہنا چاہتا ہوں کہ آؤ اقرار کر لیں۔ آؤ دیکھتے ہیں کہ انکار کے بعد جب اقرار ہوتا ہے تو دل ملنے میں کتنا ٹائم لگتا ہے۔ میں منتظر ہوں۔ علی وجدان۔''

جب انکار کے بعد اقرار ہوتا ہے تو دل ملنے میں کتنا ٹائم لگتا ہے۔ اس نے کارڈ پر لکھی ہوئی آخری تحریر کو ایک دفعہ پھر پڑھا اور پھر کھلے ہوئے کارڈ کی خوب صورت تحریر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''شاید ایک منٹ یا شاید ایک بھی نہیں۔''

اور پھر ایک خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ سرخ گلابوں کو ریپر سے نکال کر اپنے گلدان میں سجانے لگی۔